عمامہ کی عظمت واہمیت

تالیف :۔

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب گنگوہی قاسمی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

نا شر:

دارُالکتب الاسلامیۃ گنگوہ

نزد جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ، سہارنپور، یوپی، انڈیا۔

Mob:+91-9412508475

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

تصریحات

نام کتاب: عمامہ کی عظمت واہمیت

تالیف: حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ

صحبت یافتہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب نقشبندی مجددیؒ۔
اجازت یافتہ شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم۔
وپیر طریقت واقف اسرارِ حقیقت حضرت شیخ آصف حسین صاحب فاروقی نقشبندی مدظلہم العالی برطانیہ۔
وجامع الاوصاف حضرت مولانا سید محمود حسن صاحبؒ خلیفہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ۔

کتابت:........... محمد دلشاد رشیدی، کھیڑہ افغان 9358199948

تصحیح:............. مولانا شمشاد احمد صاحب مظاہری مدرس جامعہ ہذا
مولانا عبدالواجد رشیدی ندوی مدرس جامعہ ہذا

تعداد:............. گیارہ سو/ 1100

صفحات:...........104

قیمت:.............100/روپئے

پہلا ایڈیشن:........2016

Published By:

ISLAMIC BOOKS HOUSE
NEAR JAMIA ASHRAFUL ULOOM RASHEEDI
MIN ROAD P.O. GANGOH, DISTT. SAHARANPUR (U.P.) INDIA
Mob:+91-9412508475

فہرستِ ابواب

۱ مقدمہ

۲ باب نمبر(۱) عمامہ قرآن کریم کے آئینہ میں

۳ باب نمبر(۲) سنّتِ عمامہ احادیثِ رسولؐ کے آئینہ میں

۴ باب نمبر(۳) عمامہ کی سنّیت واہمیت

۵ باب نمبر(۴) احادیثِ شریفہ میں عمامہ کی فضیلت

۶ باب نمبر(۵) حضرات صحابۂ کرام اور سنتِ عمامہ

۷ باب نمبر(۶) احادیثِ شریفہ میں فرشتوں کے عمامہ کا تذکرہ

۸ باب نمبر(۷) حضور اکرم ﷺ کے عمامہ کی مقدار اور شملہ کا ذکر (ایک علمی بحث)

۹ باب نمبر(۸) عمامہ میں شملہ کی بحث

۱۰ باب نمبر(۹) عمامہ کے آداب

۱۱ باب نمبر(۱۰) سنتِ عمامہ کی افادیت (میڈیکل وسائنسی نقطۂ نظر سے)

۱۲ باب نمبر(۱۱) حضور اکرم ﷺ اور انبیاء کرام کے لباس کے بارے میں کچھ گفتگو

۱۳ مسائل عمامہ

مقدمہ

اتباعِ سنت اوراُس کی اہمیت وعظمت

قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار اتباعِ رسول اللہ ﷺ کو ہی قرار دیا ہے، نیز اسی پر عنداللہ مقبولیت ومحبوبیت اور مغفرت وابستہ قرار دی ہے، قرآن وحدیث میں اس پر بے شمار نصوص وارد ہوئی ہیں، بطور مثال کے چند سنئے! ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

حضرت مولانا گنج مرادآبادیؒ نے ترجمہ فرمایا:

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میری راہ پر چلو تب وہ تم سے پیار کریں گے اور تمہاری مغفرت فرمادیں گے، اتباعِ سنت میں کامیابی و کامرانی کا راز یہ ہے کہ انسان محبوب کی صورت بنا کر جب رب العزت والجلال کے سامنے حاضر ہوتا ہے ضرور اس پر مولائے تعالیٰ کی نظرِ کرم ہوتی ہے۔

نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اعمال کی قبولیت کا مدار اتباعِ سنت پر ہی ہے اور اسی پر عنداللہ محبوبیت اور مغفرت موعود ہے، نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (پارہ ۵ رکوع ۶ آیت ۶۴)۔

ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے) معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کی اطاعت کے بغیر چارۂ کار نہیں اور یہ کہ یہ اللہ کا

حکم ہے، لہذا رسولوں کی اطاعت فرض ہے، اسی پر ساری شریعت وطریقت کا مدار ہے،ایسے ہی حق تعالیٰ فرماتے ہیں: یَـآ اَیُّھَـا الَّذِیْـنَ آمَـنُـوْا اَطِیْـعُـوا اللّٰـہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ الآیۃ (پارہ۲۶،رکوع۸آیت۳۳)۔

اے ایمان والو! اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرواوراپنے اعمال کو باطل نہ کرو،یعنی اللہ اوران کے رسول ﷺ کی مخالفت کرکے،اگر یہ مخالفت نفسِ ایمان میں ہے تو کفروشرک ہےاوراگر یہ مخالفت ان کےاحکامات میں ہےتوفسق وعصیان ہے(بیان القرآن)۔

نیز معلوم ہوا کہ اللہ اوران کے رسولؐ کی اطاعت کرنا فرض ہےاس کے بغیر ایمان اوراسلام کچھ بھی نہیں،چہ جائے کہ کوئی شخص تصوف وروحانیت کا دعویٰ کرے۔

مَـنْ یُّطِـعِ الـرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظاً (پارہ۵،رکوع۸آیت۸۰)۔

اورجس شخص نے اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی اور جوشخص آپؐ کی اطاعت سے روگردانی کرے تو آپ اس پر کچھ غم نہ کیجئے کیونکہ ہم نے آپ کوان کانگراں بنا کرنہیں بھیجا،یعنی اگر یہ لوگ آپ کے طریقہ پرنہیں چلیں گے تواس بارے میں سوال آپ سے نہیں ہوگا بلکہ خودانہیں لوگوں سے ہوگا۔

حضرت جابرابن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ملائکہ سونے کی حالت میں تشریف فرما ہوئے،بعض نے فرمایا کہ وہ سوئے ہوئے ہیں،بعض کہنے لگے کہ آنکھیں سوئی ہوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے، پھر کہنے لگے کہ تمہارےان بزرگ کی اس شخص کی سی مثال ہے،جس نے مکان بنایااوراس میں دسترخوان لگایااورداعی کو بھیجا تو جس نے داعی کی دعوت پر لبیک کہا وہ مکان میں داخل

ہوگیا، دسترخوان سے کھانے لگا اور جس نے دعوت کو قبول نہیں کیا، تو وہ گھر میں داخل ہی نہ ہوا، وہ دسترخوان سے بھی نہیں کھائے گا۔

تو ملائکہ کہنے لگے کہ مکان تو جنت ہے اور داعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،لہذا جو آپ کی اتباع کرے گا اس نے اللہ کی اتباع کی اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی،آپ لوگوں کے درمیان کسوٹی اور معیار ہیں۔(بخاری شریف،ج۲)۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی،جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، جو حاکم کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو حاکم کی نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عبادہ ابن صامتؓ کا بیان ہے ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس امر پر بیعت کی تھی کہ حضور کا حکم سنیں گے اور مانیں گے، دشواری میں بھی اور آسانی میں بھی، خوشی میں بھی،اورناخوشی میں بھی اور حکام سے انکے حکم میں کوئی کشاکشی نہیں کریں گے اور جہاں ہوں گے حق کو قائم کریں گے اور حق بات کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

نیز حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حاکم کا حکم سنو اور مانو اگر چہ تم پر حاکم اور ذمہ دار بنا دیا جائے کسی حبشی غلام کو، جس کا سر کشمش کی طرح ہو، یا اس کا کان کٹا ہوا ہو۔ (بخاری ومسلم)

یعنی اس کے ظاہری عیوب پر نظر مت رکھو، جمعیت اور جماعت، نظم وانتظام

کی مضبوطی اور استحکام کے پیش نظر اس کی تقلید اور اطاعت سے خروج نہ کرو، کہ یہ چیز اسلام کو پسند نہیں ہے اور اس سے ہنگامے اور طوفان ایک دوسرے کی آبروریزی کے ایسے باب کھلتے ہیں جن سے بہت سے اذہان خراب ہوتے ہیں اور بہت سوں کی طرف سے بدعقیدگیاں پیدا ہوکر لوگوں میں دین اور دینداروں کی طرف سے ایک تنفر و بعد پیدا ہوتا ہے۔ (بخاری)

بیعت کا ثبوت قرآن پاک سے

نیز ایک جگہ حضور اقدس سرکار دو عالم ﷺ سے بیعت کرنے کو اللہ نے اپنے سے بیعت کرنا قرار دیا ہے فرماتے ہیں: اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰہَدَ عَلَیۡہُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا (پارہ ۲۶ رکوع ۹ آیت ۱۰)

بیشک وہ لوگ جو آپ سے بیعت کررہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کررہے ہیں خدائے تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، پھر جو شخص بیعت توڑے گا تو اس کے بیعت توڑنے کا گناہ اسی کی ذات پر ہوگا اور جو شخص پورا کرے گا اس چیز کو جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا یعنی بیعت کی تھی تو حق تعالیٰ اس کو اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔

اس آیت میں جہاں اللہ پاک نے اپنے رسول ﷺ سے بیعت کرنے کو خود اپنے سے بیعت کرنا قرار دیا ہے، جس سے اتباعِ رسولؐ اور اتباعِ سنت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کرنا سنت سے ثابت ہے

اور اس پر قائم رہنا موجبِ اجر وثواب ہے اور بلا وجہ یا خواہشِ نفس کے تابع ہوکر توڑ دینا باعث نقصان اور خسران ہے۔

اتباعِ رسول ﷺ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اللہ پاک نے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعَاۨ الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ۔

آپ کہہ دیجئے! اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمینوں میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے، پس تم ایمان لاؤ اللہ پر اور ان کے رسول ﷺ پر جو نبی امی ہیں، جو خود ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور ان کے احکامات پر اور تم انہیں کی اتباع کرو تبھی تم ہدایت پاؤ گے۔

اس آیت میں اللہ پاک نے کس قدر تاکید سے اپنے پیغمبر ﷺ کی اتباع کا حکم دیا ہے اور صاف صاف بتادیا ہے کہ ہدایت پر تبھی آؤ گے جب نبی کی اتباع کروگے اور اگر تم نے نبیؐ کے طریقے کو چھوڑا تو گمراہی میں جا پڑوگے، آج لوگ نبی کی اتباع کو چھوڑ کر مختلف چیزوں میں لگے ہوئے ہیں اور بہت سے تو مزارات پر رکوع سجدے کررہے ہیں، منتیں مان رہے ہیں اور نا معلوم کیا کیا خرافات کررہے ہیں اور کروا رہے ہیں، جب کہ یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ موت وحیات، نفع ونقصان سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے نہ کسی زندہ کے اختیار میں ہے اور نہ کسی مردہ کے اختیار میں ہے۔

نافع و ضار جز اللہ نہیں ہے کوئی
مؤمن ہوکر پھر شرک سے تجھ کو کیا کام

حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں: کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع اور پیروی کے بغیر چارہ نہ تھا، **لو کان موسی حیالماوسعه الا اتباعی** (الحدیث) میرے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ ایک جگہ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں:

خود ہی فرماتے ہیں سرکار دوعالم ﷺ	سن لے تا کہ ہو جائے معلوم تجھکو نبوت کا مقام
ہوتے موسیٰ بھی جو زندہ تو نہ چارہ تھا کوئی	بجز اس کے کریں پیروی خیر انام
مرحبا صد مرحبا صد مرحبا صد مرحبا	اللہ اللہ یہ ہے مرتبہ یہ ہے ان کا مقام
ان کے دربار میں جبریل امین آتے تھے	لاتے تھے عرش معظم سے خدا کا پیغام
غوث وابدال قطب امام واوتار	بلا شبہ یہ سب ہیں محمد کے غلام
ایک طرف امام رسل ایک طرف ان کا غلام	بوالہوس تو ہی بتادے کس کا سنائے گا تو پیام
میری سنت سے محبت ہے محبت میری	یہی فرما گئے ہیں سارے رسولوں کے امام

نیز ایک جگہ ارشاد فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا

ترجمہ: اور جو کوئی حکم مانے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا تو وہ انکے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، کہ وہ حضرات انبیاء صدیقین، شہداء اور نیک لوگ ہیں اور انکی رفاقت بہت عمدہ ہے، یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ پاک کافی ہے جاننے والا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ آپ مجھے اپنی جان مال اور اولاد سے بھی زیادہ پیارے ہیں، میں گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کی یاد آجاتی ہے تو جب تک حاضر ہوکر شرف زیارت حاصل نہ کرلوں قرار نہیں آتا، لیکن جب مجھے اپنی اور آپکی موت کا تصور ہوتا ہے تو جانتا ہوں کہ مرنے کے بعد یہ شرف زیارت حاصل نہ ہوسکے گا کیوں کہ آپ جنت میں انبیاءؑ کے ساتھ اُونچے درجہ میں ہوں گے اور اگر میں جنت میں پہونچ بھی گیا تو اندیشہ ہے کہ آپ کو نہ دیکھ سکوں گا حضور ﷺ نے یہ کلام سنکر کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت شریفہ لیکر نازل ہوئے۔

نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے سو اسکو لکھ دوں گا انکے لئے جو ڈر رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں، وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول ﷺ کی جو نبیؐ امی ہے کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ حکم کرتا ہے نیک کام کا اور منع کرتا ہے برے کام سے اور حلال کرتا ہے ان

کے لئے سب پاک چیزیں اورحرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اوراُتارتا ہے ان پر سے انکے بوجھ اور وہ قیدیں جوان پر تھیں سوجولوگ اس پر ایمان لائے اوراسکی رفاقت کی اوراسکی مددکی اورتابع ہوئے اس نور کے جو اسکے ساتھ اترا ہے، وہی لوگ اپنی مراد کو پہنچے۔

احادیث مبارکہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ أَطَاعَ مُحَمَّداً فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصٰی مُحَمَّداً فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَیْنَ النَّاسِ (بخاری شریف)۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا جس شخص نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس شخص نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، محمد ﷺ کی اطاعت لوگوں کے درمیان حق وباطل کا فرق کرنے والی ہے۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جس شخص نے حضرت نبی پاکؐ کی اطاعت اور آپ کے طریقہ کا اتباع کیا یعنی عبادات، معاملات، اخلاق اور زندگی کے تمام نشیب وفراز میں آپؐ کو سامنے رکھا اس نے درحقیقت اللہ کی عبادت کا حق ادا کردیا کیونکہ اللہ پاک نے اپنے پیغمبرؐ کو ایک نمونہ اور اسوہ بنایا ہے اور جو کچھ قرآن کریم میں آپؐ پر نازل فرمایا گیا ہے اس پر عمل آپ کی سیرت کو سمجھ کر اور طرز کو دیکھ کر ہی ہوسکتا ہے اور جو شخص آپؐ کی نافرمانی میں لگ گیا وہ اللہ پاک کی عبادت اور اطاعت سے بھی بیزار ہوجائے گا تو اصل چیز فرق کرنے والی حق اور باطل میں رسول پاکؐ کا نمونہ ہی ہے، اسی لئے حق تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ اور جس نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی:

اتباعِ سیدِ کونین ہر ہر بات میں
ہے اسی میں زندگی والوں کے جینے کا مدار

نیز ایک جگہ فرمایا: ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما ان تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ کہ تم میں دو چیزوں کو چھوڑ کر جارہا ہوں اللہ کی کتاب اور سنت، جب تک تم ان کو پکڑے رہوگے گمراہ نہ ہوگے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فائدہ: یہ حقیقت ہے کہ جب تک امت ان دونوں چیزوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہے گی تو ہدایت پر قائم رہے گی اور جب امت ان دونوں چیز کو چھوڑ دیگی گمراہی کے راستہ پر چل پڑیگی، جیسا کہ بہت سی جگہوں پر بہت سے لوگوں کے حالات ثابت کررہے ہیں، کوئی قرآن کو چھوڑ رہا ہے تو کوئی سنت کو اور کوئی سلف صالحین کے طرز کو حالانکہ ان تین چیزوں کے مجموعہ سے ہی جملہ ہدایتیں وابستہ ہیں اور ان تینوں کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے نہ قرآن کریم پر بغیر سنت کے عمل ہوسکتا ہے بلکہ صحیح سمجھا بھی نہیں جاسکتا ہے اور نہ سنت کو قرآن کریم کے بغیر سمجھا جاسکتا ہے اور نہ عمل ہوسکتا ہے، بلکہ حقیقت یہی ہے کہ سنت شارح ہے کتاب اللہ کی اور سلف صالحین کا طریقہ اس کے لئے بہترین وسیلہ اور ذریعہ ہے اور ان کے حالات سے کتاب وسنت کے مفاہیم اور مضامین کو سمجھا بھی جاتا ہے اور عمل میں بھی لانا آسان ہوجاتا ہے اور ہمت بھی بڑھتی ہے کہ جب وہ لوگ اس راستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہونچے تو پھر ہم بھی اسی راستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں، اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ اور چل ان لوگوں کے راستہ پر جو چلے ہماری طرف اور توبہ وانابت کا راستہ اختیار کرکے بڑے بڑے منازل کو اور

درجات کو پہنچ گئے اور تو کم ہمت ابھی سوچ میں ہی پڑا ہوا ہے۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی — کہ تو گفتار وہ رفتار تو ثابت وہ سیارہ

ایک جگہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا یؤمن احدُکم حتی اکُونَ اَحبَّ اِلَیہِ مِنُ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اجُمَعین، یعنی تم میں سے کوئی کامل مؤمن نہیں بن سکتا، جب تک کہ میں اس کو اس کے والد سے، اس کی اولاد سے اور تمام ہی لوگوں سے پیارا نہ ہو جاؤں۔

قال رسول اللہ ﷺ اما بعد! فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد ﷺ وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ (رواہ مسلم)۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہترین بات وہ کتاب اللہ کی بات ہے اور بہترین طریقہ وہ حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور بدترین کام وہ ہیں جو شریعت کے خلاف نئے ایجاد کردہ ہوں اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

"قال رسول اللہ ﷺ من احبنی احب سنتی فقد أحبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ" رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے مجھ سے محبت کی اس نے میری سنت سے محبت کی تو اس نے مجھ ہی سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

"قال رسول اللہ ﷺ من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید" رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری امت میں فساد کے دوران میری سنت کو مضبوطی کے ساتھ اپنائے رکھا تو اسکو

سو (۱۰۰) شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا۔

آج کے اس دور میں جبکہ نہ یہ کہ سنتوں کو ترک کیا جا رہا ہے بلکہ لوگ کرنے والوں کا استہزاء کرنے لگے ہیں اور اس دور میں سنتوں پر عمل کرنے والوں کیلئے یہ کتنی بڑی بشارت ہے، نیز کسی بھی سنت کا استہزا کرنے والوں کے سلسلہ میں وعیدات کا ایک دفتر موجود ہے جس کا ذکر مستقل آگے آ رہا ہے۔

عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابی قالوا ومن یأبی قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی۔ (معالم التنزیل ص ۴۵۱/ ج ۱)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا، مگر وہ شخص کہ جس نے انکار کیا، حضرات صحابہ کرامؓ کہنے لگے کہ کون انکار کریگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

عن عائشۃؓ قالت صنع رسول اللہ ﷺ شیئا فرخص فیہ فتنزہ عنہ قوم فبلغ ذلک رسول اللہ ﷺ فخطب فحمد اللہ ثم قال مابال اقوام یتنزھون عن الشئی اصنعہ فواللہ انی لاعلمھم باللہ واشدھم لہ خشیۃ۔ (مشکوۃ شریف ص ۲۷)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک علیہ السلام نے کوئی ایسا کام کیا جس میں شرعاً امت کیلئے رخصت وسعت، گنجائش دینا مقصود تھا، بعض لوگ اس کام سے احتیاط کرنے لگے اور اس کے کرنے کو نامناسب خیال کرنے لگے، یہ بات

رسول پاک علیہ السلام کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور خطاب کیا اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی چیز سے بھی احتیاط کرنے لگے ہیں جس کو میں کرتا ہوں حالانکہ میں تم سب میں اللہ سے اور اللہ کے احکامات سے سب سے زیادہ واقف ہوں، تقویٰ و پرہیز گاری اور خوفِ خدا میں سب سے بڑھا ہوا ہوں، یعنی ان لوگوں کو ایسا نہ کرنا چاہئے، یہ تو پیغمبرؐ سے بھی زیادہ تقویٰ اور پرہیز گاری کا معاملہ ہو جائے گا حالانکہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی انسان پیغمبر سے زیادہ متقی اور پرہیز گار بن جائے، معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ کا اتباع ہی عین مطلوب ہے، اس حدیث پاک میں جس کام کا ذکر فرمایا گیا ہے اور جن لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے بعض شراح نے ان کے بارے میں عدم علم کا اظہار کیا ہے کہ ہم نہیں جانتے وہ کیا چیز تھی اور وہ حضرات کون تھے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ چیز تھی سفر میں روزہ نہ رکھنا اور یہ وہی حضرات تھے جو یہ کہہ رہے تھے کہ ہم نکاح، تجارت وغیرہ نہ کریں گے اور اپنے تمام اوقات کو تمام طاقتوں کو عبادات میں صرف کردیں گے، جن میں حضرت علیؓ حضرت عثمان ابن مظعونؓ، عبداللہ ابن رواحہؓ، حضرت مقداد ابن اسودؓ، حضرت عبداللہ ابن العاصؓ وغیرہ وغیرہ بتائے گئے ہیں۔

عن العرباض بن ساريةؓ قال صلى بنا رسول الله ﷺ ذات يوم ثم اقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظة بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب فقال رجل يارسول الله كان هذه موعظة مودعٍ فاوصنا فقال اوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ (مشكوٰة شريف ص ۳۰)۔

عرباض ابن ساریہؓ سے مروی ہے رسول پاک ﷺ نے ایک دن ہمکو نماز

پڑھائی، نماز سے فراغت کے بعد آپؐ اپنے چہرۂ انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے، پھر آپ نے ہمارے سامنے ایک ایسا جامع ترین وعظ فرمایا کہ جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور قلوب سہم گئے، تو ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ایسا لگ رہا ہے کہ یہ بلیغ خطاب الوداعی خطاب ہے، پس آپؐ ہمکو وصیت فرما دیجئے، تو آپؐ نے فرمایا میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، سننے اور فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں، تم لوگ میری سنت اور میرے خلفاء راشدین ومہدیین کی سنت اختیار کرلو، اسکو مضبوطی کے ساتھ پکڑلو (گویا سنتِ مطہرہ سے قطعاً انحراف نہ کرو)۔

ان تمام ہی نصوص سے معلوم ہوا کہ اصل ولایت اتباعِ سنت ہی ہے اور جو طریقت اس کے خلاف ہو وہ گمراہی ہے، چنانچہ مرشدی محبوبی حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو طریقت خلاف شریعت ہو ضلالت ہے
طریقت اور حقیقت یہ دونوں خادم ہیں شریعت کے

OOLS\BISMILLA
not found.

سنتِ شریفہ کی اہمیت

جامع الاوصاف والکمالات، منبع الفیوض والبرکات

حضرت خواجہ محمد معصوم

ابن حضرت اقدس مجدد الف ثانی رحمہم اللہ کی نظر میں

تاج الاولیاء والاتقیاء حضرت خواجہ محمد معصوم صاحبؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

حامداً ومصلیاً علیٰ رسوله الکریم۔ امابعد!

ہنگامِ قربِ قیامت ہے اور وقتِ زیادتیٔ ظلمات، ایک عالمِ ظلمات کے اندر غرق ہے اور غرق ہوتا چلا جارہا ہے، کوئی جواں مرد درکار ہے جو اس خطرناک زمانہ میں احیائے سنت کرے اور بدعت کو مٹائے، بے انوارِ سننِ نبویؐ راہِ راست پانا محال ہے اور بے التزامِ اطوارِ نبوت نجات ڈھونڈنا محض خیال ہے، طریقۂ صوفیا کا سلوک اور "محبت ذاتیہ" کا وصول بے اتباع حبیبؐ رب العالمین متحقق نہیں ہوسکتا، آیت قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ، ہمارے اس قول کی گواہ ہے، اپنی سعادت اسی میں سمجھنی چاہئے کہ عادات، عبادات اور معاملات میں آنحضرتؐ سے نسبت پیدا ہو، عالَمِ مجاز میں دیکھو کہ جو شخص محبوب سے مشابہت اختیار کرتا ہے مُحِب کی نظر میں وہ کتنا محبوب وزیبا اور مرغوب ورعنا معلوم ہوتا ہے، محبوب کے دوست مُحِب کی نظر میں عزیز اور محبوب کے مبغوض، محبوب کی نظر میں مبغوض ہوتے ہیں، پس کمالاتِ صوری ومعنوی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ وابستہ ہیں (مکتوبات خواجہ محمد معصوم رص ٦٩)

سبحان اللہ العظیم اللہ پاک بلند سے بلند درجات نصیب فرمائے حضرت خواجہ صاحبؒ کو اس قدر زبردست انداز سے اتباعِ سنت پر اُبھارا ہے۔

سنت کی اہمیت شاہ فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی نظر میں

شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادیؒ [1] کا یہ مقولہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے "اتباعِ سنت ہی ساری غوثیت اور قطبیت ہے"۔

سنت کی اہمیت قطبِ عالم حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کی نظر میں

لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک قطب وولی احکامِ شرع سے بے نیاز رہے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ طریقِ چشتیہ کے کتنے بڑے شیخ صاحبِ حال وقال درویش ہیں، انہیں کے مکتوبات کو دیکھ لیجئے کوئی مکتوب اتباعِ شرع کی تاکید اور ترغیب سے خالی نہیں ہے۔

چنانچہ آپ کے اتباعِ سنت کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں: ایک بار ایک بزرگ کا آپ کے سامنے ذکر کیا گیا آپ کو ملنے کا شوق پیدا ہوا ان کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے عبادت خانے سے نکل کر اڑتے ہوئے کسی جگہ پہنچے ہیں، حضرت شیخ

---

[1] آپ کبارِ علماء صلحاء میں سے ہیں، بہت بڑے عارف باللہ، محدث، فقیہ تھے، تفسیر ودیگر علوم میں آپ کو کمال حاصل تھا، آپ کی کرامات مشہور ہیں، بقول صاحبِ نزہۃ الخواطر، آپ کی کشوف وکرامات کے بارے میں مت پوچھو وہ توحدِّ تواتر کو پہونچے ہوئے ہیں اور میں نے اولیاء سابقین میں اتنی کرامات اور کشوف سوائے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اور کسی کے بارے میں نہیں سنیں، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ آپ علم وعمل، زہد وتقوی، شجاعت وکرم، جلالت ورعب، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اخلاص، اخبات، انابت الی اللہ، دعاء ومراقبہ، حسنِ اخلاق، مخلوق کو نفع پہونچانے میں اپنے دور میں سب سے آگے تھے (نزہۃ الخواطر رص ٣٨٦ رج ٨)۔

عبدالقدوسؒ اندر تشریف لے گئے تاکہ ان کے عبادت خانہ کی زیارت کریں وہاں دیکھا کہ ان کے ہاتھ گھٹنے اور سر ٹیکنے کے نشانات پڑے ہوئے تھے، لیکن سب نشانات خلافِ سنت واقع ہوئے تھے، ارشاد فرمایا وہ شخص کیا خاک بزرگ ہوگا جسکی نماز بھی سنت کے موافق نہ ہو اور اُڑنا کوئی کمال نہیں ہے، رابعہ بصریہؒ نے دیکھا کہ حسن بصریؒ نے پانی پر مصلی بچھایا اور نماز پڑھی، تو انہوں نے ہوا پر بچھا کر نماز شروع کی، بعد میں فرمایا ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا کمال نہیں ورنہ مچھلی اور مکھی ہم سے زائد باکمال ہوجائیں گی، اصل کمال اتباعِ سنت ہے، شیخ اتباعِ سنت میں راسخ تھے، اسی وجہ سے ان کے مریدوں میں بھی یہ جوہر راسخ تھا، چنانچہ آپ کے خلیفہ شیخ جلال الدینؒ بیمار ہوئے تو لوگوں نے دوا پلانی چاہی اور آپ چارپائی پر تھے فرمانے لگے کہ پہلے مجھے نیچے اتاردو تب دوا نوش کروں گا کیونکہ یہ خلاف سنت ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ عین استغراق میں ہوتے اور نماز کا وقت آجاتا تو فرماتے کہ شرعِ محمدیؐ سے چارہ نہیں ہے، اس کے علاوہ اور واقعات بھی ہیں، اختصار کی وجہ سے ترک کئے جاتے ہیں۔

سنتِ شریفہ کی اہمیت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی نظر میں

حضرت شیخ زکریاؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے حالات میں حضرت تھانویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ میں نے جتنے بزرگانِ سلف کے تذکرے دیکھے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان کی حالت اور طرز وہ نہ تھا جو آج کل کے اکثر مشائخ کا ہے، ان مشائخ کو دیکھا جاتا ہے وہ اتباعِ شریعت کو وصول الی اللہ

کے لئے چنداں ضروری نہیں سمجھتے اور ان کا اعتقاد ہے کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے، بلکہ بزرگانِ سلف کا حال تقویٰ وطہارت اور اتباعِ سنت میں صحابہ کرامؓ کے جیسا تھا، چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بار آپ وضو کرنے میں انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے، تو غیب سے آواز آئی کہ محبتِ رسول ﷺ کا دعویٰ اور سنت کا تارک! آپ نے فوراً توبہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا، اور لکھا ہے کہ آپ کی یہ حالت تھی کہ جہاں آپ آگ کو دیکھتے تو کانپ اُٹھتے کہ کہیں قیامت کے روز اس کی سزا نہ ہو، تو اتباعِ سنت میں ان حضرات کا وہی حال تھا جو حضراتِ صحابہؓ کا تھا۔ (تاریخ مشائخ چشت/ص ۱۶۷)

سنتِ شریفہ کی اہمیت حضرت مجدد صاحبؒ کی نظر میں

حضرت محبوب سبحانی مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بزرگ چشتیہ حاضر ہوکر عرض کرنے لگے کہ: مجھ کو کئی سال نسبتِ حق میں قبض تھا، آپ کے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قبض کی شکایت کی تو حضرت خواجہ کی توجہ ودعا سے میری حالتِ قبض بسط سے بدل گئی آپ بھی کچھ توجہ فرمائیں، کیونکہ حضرت خواجہؒ نے اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کے حوالہ کردیا ہے، تو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس تو اتباع سنت کے سوا کچھ بھی نہیں، یہ سنتے ہی ان بزرگ پر حال طاری ہوا اور کثرتِ نسبت اور قوتِ باطنی کے اثرات سے سرہند شریف کی زمین جنبش کرنے لگی، حضرت امام ربانیؒ نے ایک خادم سے فرمایا کہ طاق میں سے مسواک اُٹھالاؤ آپ نے مسواک کو زمین پر پٹخ دیا اسی وقت زمین ساکن ہوگئی اور ان بزرگ کی کیفیت جذبی بھی جاتی

رہی، اس کے بعد آپ نے ان بزرگ سے فرمایا کہ تمہاری کرامت سے زمین سرہند جنبش میں آگئی اور اگر فقیر دعا کرے تو انشاء اللہ سرہند شریف کے مردے زندہ ہوجائیں، لیکن میں تمہاری اس کرامت (جنبش زمین) اور اپنی اس کرامت سے کہ (دعا سے سرہند شریف کے تمام مردے زندہ ہوجائیں) اثناء وضو میں بطریق سنت مسواک کرنا بدرجہا افضل جانتا ہوں۔

حضرت محبوب سبحانی سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کامل متقی اور متبع سنت اور بدعت کے سخت دشمن تھے، آپ کی بنیادی تعلیم یہ تھی کہ خدا کی تلاش رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ کرو اور اس محمدیؐ طریقہ کی اساس کو سنت زندہ کرکے اور بدعات کو مٹا کر مضبوط کرو۔

عن الاوزاعی قال: کان یقال: خمس کان علیها اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم والتابعون باحسان، لزوم الجماعة، واتباع السنة وعمارة المسجد، وتلاوة القرآن والجهاد فی سبیل اللّٰہ۔

(حلیۃ الاولیاء، ج۶ ص۱۴۲)

کرامت اتباعِ سنت کا ثمرہ ہے

آنحضرت ﷺ کی اتباع کے بغیر کوئی کمال حاصل نہیں ہوسکتا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: کہ ہر ایک فضیلت اور ہر ایک کمال آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آپ کی شریعت کی تابعداری ہی پر موقوف ہے (فتاویٰ رحیمیہ جلد۲ ص۳۸۶)۔

دراصل ان خرافات میں مشغول ہونا مقام رسالت سے غفلت اور عدم معرفت کا ثمرہ ہے، مرشدی حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب قدس سرہ نے فرمایا ؎

اگر سمجھ میں تری آیا ہے رسالت کا مقام   کٹ کے ہر در سے تو بن فخر دو عالم کا غلام
میری سنت سے محبت ہے محبت میری   یہی فرما گئے ہیں سارے رسولوں کے امام
جو ہیں سرکار مدینہ کی محبت میں فدا   ساتھ سرکار کے جنت میں کریں گے وہ قیام
جان کی ان کی قسم کھاتا ہے قرآں میں خدا   اللہ اللہ یہ محبوبِ خدا کا ہے مقام

(عرفان محبت ص ۱۴۰)

اس مضمون پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر یہ مختصر رسالہ اس کی گنجائش نہیں رکھتا اسلئے بات کو اختتامی مراحل پر لاتے ہوئے حضرت اقدس، قطب وقت حضرت پرتاپگڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے چند منتخب اشعار پر ختم کرتا ہوں تا کہ اول وآخر میں ان کے مقبول اشعار کی برکت سے اس رسالہ کا درمیانی حصہ بھی مقبول ہوجائے اور یہ حضرت ہی کے کلام کی شرح کہلائے !فرماتے ہیں کہ خالص محمد کا غلام بن!

تو اگر آج بھی ہوجائے محمد کا غلام   سمجھیں رحمت تجھے پھر دنیا کی ساری اقوام
یوں تو کہنے میں بنتے ہیں نبی کے خدام   جو ہیں پابند شریعت ہیں وہی اصل غلام
تیرے ایمان میں خامی نہ رہ جاتی   کاش پی لیتا تو بھی اگر محبت کا جام
مست ہوکر تو سنا کرتا ہے غیروں کا کلام   پر نہیں تجھ کو حدیثِ نبوی سے کچھ کام
غوث و ابدال و قطب اور امام و اوتار   سب کے سب ہیں یہ بلاشبہ محمد کے غلام
ہے محمد کی اطاعت اطاعت رب کی   آپ فرمائیں تو امت میں ہے کس کا مقام
شرک وبدعت میں تو ڈوبا خدا کے بندے   تو ہی انصاف سے کہدے کہ یہی ہے اسلام
شرک وبدعت میں تجھے ہائے مزہ ملتا ہے   شرم کی بات ہے سنت سے نہیں تجھ کو کام

صدق دل سے پڑھوں کیوں نہ درودوسلام　　آگیا لب پہ مرے سرورعالم کا نام

اب توبن ساقی کونین کا تو سچا غلام　　اٹھ کے دنیا کو پلا شوق سے توحید کا جام

بے خبر ہوش سے لے کام نہ ہوتوغافل　　دیکھ صیاد نے ہرسمت بچھائے ہیں دام

پیروی سید کونین کی لازم ہے تجھے　　اپنے اعمال سے اسلام کو مت کربدنام

(ازعرفان محبت)

یا الٰہی مجھ کو اب اپنا بنا

کرلے تو مقبول خالد کی دعا

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ

وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ والصلوۃ والسلام

علی سید المرسلین وخاتم النبیین وعلی اٰلہ

واصحابہ اجمعین والحمدللّٰہ رب العالمین۔

...OOLS\BISMILLA...
not found.

بابـ نمبر(۱)

عمامہ قرآن کریم کے آئینہ میں

واقعۂ بدر میں نزولِ ملائکہ کا تذکرہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں:بَلٰی اِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوْاوَیَاْتُوْکُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هٰذَايُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَآئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۔

ترجمہ: بلکہ اگرتم میدانِ جہاد میں جمے رہےاورتقویٰ اختیارکرتے رہےاور دشمن تم پراچانک چڑھ آئے تو اسوقت تمہارے پروردگارایسے پانچ ہزارفرشتوں سے تمہاری امدادکریں گے جوایک مخصوص علامت کےساتھ متصف ہونگے۔

یعنی خاص وردی میں اُتریں گےجیسا کہ فوج کی وردی ہوتی ہے،چنانچہ حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ نے''فیض الباری''میں یہی تعبیراختیارکی ہےاوروہ فرشتوں کی خاص وردی عمامہ تھا،جیسا کہ مفسرین کرام کےاقوال بکثرت اس پرشاہد ہیں۔

(۱) مسومین کی تفسیر میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا: عمامہ پہنے ہوئے تھے،اور یہ بھی فرمایا کہ وہ عمامے سفید تھے جن کے شملوں کو انہوں نے پشت کی طرف چھوڑا ہوا تھا،اورایک روایت میں ہے کہ وہ عمامے کالے تھے، نیزاسی طرح جنگِ حنین میں جب فرشتوں کانزول ہوا تب بھی عمامہ کےساتھ ہوا تھا۔مفسرین کی جماعت کےقول کے مطابق وہاں عمامے سبزرنگ کے تھےاوربعض حضرات نے فرمایا کہ بدر کے دن عمامے پیلے رنگ کے تھےاوربعض حضرات نے کہا کہ لال رنگ کے تھے، دراصل حضرات صحابہ کرام بھی چونکہ مختلف رنگ کے عمامے

اپنے سروں پر سجائے ہوئے تھے تو فرشتے بھی مختلف رنگ کے عماموں میں نازل ہوئے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے فرمایا کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ فرشتوں کے عماموں کا رنگ پیلا تھا اور رسول پاک ﷺ بھی پیلے عمامہ میں تھے اور بدر میں حضرت زبیرؓ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں وہ بھی عمامہ صفرا میں تھے، علامہ شعرانی قدس سرہ نے ''کشف الغمہ'' میں فرمایا ہے کہ حضرت عروہ ابن زبیرؓ نے فرمایا کہ میرے والد محترم حضرت زبیرؓ بدر کے دن پیلا عمامہ پہنے ہوئے تھے اور فرشتے حضرت زبیرؓ کے انداز پر نازل ہوئے، ان میں تطبیق کی شکل یہی ہے کہ بعض صحابہ کے پیلے عمامے تھے، بعض کے ہرے (سبز) تھے بعض کے سفید تھے، بعض کے لال تھے اور بعض کے کالے تھے، تو اس لئے فرشتوں کے عماموں کے رنگ بھی الگ الگ تھے، اس تطبیق کی تائید حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ فرشتوں کے عمامے مختلف الوان کے تھے، نیز تفسیر خازن میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے بدر کے دن اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ عمامہ باندھو، اس لئے کہ فرشتے بھی سفید عماموں کے ساتھ اُترے ہیں۔

اس کو امام بغویؒ نے بھی ''معالم السنن'' میں ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت جبریلؑ نے جس دن حکم الٰہی سے فرعون کو غرق کیا اس وقت ان کا عمامہ کالے رنگ کا تھا، نیز حضرت ابن عدی نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ جبریلؑ جب ایک بار نبی ﷺ کے پاس تشریف لائے تو کالے عمامہ میں تھے، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے منقول ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ وہ سرخ عمامہ پہنے ہوئے تھے اور شملہ کتفین کے درمیان ڈالا ہوا تھا، نیز جس وقت بنو قریظہ کی طرف نکلنے

کا حکم ہوا، اس وقت حضرت جبریلؑ اللہ کے حکم کو لیکر تشریف لائے، عمدہ گھوڑے پر سوار تھے، بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سرخ عمامہ میں تھے آپ ﷺ سے گفتگو کر رہے تھے، حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول پاک ﷺ سے معلوم کیا کہ آپ سے بات کرنے والے کون تھے، بظاہر حضرت دِحیہ کلبیؓ کی صورت میں لگ رہے تھے، ارشاد فرمایا کہ جبریلؑ تھے جو مجھ کو بنو قریظہ کی طرف چلنے کیلئے حکم فرما گئے ہیں۔

اس پورے مجموعۂ روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عماموں کا استعمال اور کندھوں کے درمیان شملوں کا چھوڑنا فرشتوں کی علامت اور طریقہ ہے، چنانچہ اس سب کی بنیاد پر سیرت شامیہ میں فرمایا گیا کہ عمامہ کا استعمال اور شملہ چھوڑنا فرشتوں کی سیما اور علامت ہے، اب رسول پاک ﷺ کا وہ ارشاد جس میں فرمایا گیا **علیکم بالعمائم فانها سیماء الملائکة**، یعنی عماموں کو استعمال کرو کیونکہ یہ فرشتوں کی ایک مخصوص شان اور علامت ہے کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کس پس منظر میں حضور پاک ﷺ کا عمامہ استعمال کرنے کا ذوق شریف رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو بھی فرشتوں کی مشابہت اختیار کرنے کیلئے فرما رہے ہیں اور اپنے اصحاب کو فرشتوں کی صفات ظاہرہ اور باطنہ سے متصف دیکھنا چاہتے ہیں یہ انبیاءؑ کی امت کے ساتھ انتہائی درجہ کی محبت وشفقت کی کیفیت ہے، جیسا کہ کوئی مشفق باپ اپنے بیٹے کو کہے کہ فلاں بزرگ جیسی صفات وکمالات، وضع قطع، لباس، چال ڈھال اپناؤ! تو یہ اس کی ایک کمال درجہ کی تڑپ اور بہترین تربیت کا ذوق ظاہر کرنے والی ایک کیفیت کا اظہار ہوتا ہے اور جس شخص کو جس بزرگ کے ساتھ جس قدر زیادہ محبت وعشق کا تعلق ہوگا وہ خود بھی اور اپنے متعلقین کو بھی

اسی رنگ میں دیکھنا پسند کرے گا۔

تو اس پوری گفتگو سے یہ بات بالکل منقح اور واضح ہو جاتی ہے کہ عمامہ میں تشبہ بالملائکہ ہے اور چونکہ عمامہ اہل اسلام کے علاوہ کفار بھی پہنتے ہیں اور وہ بھی اس میں اپنے بڑوں کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ نیک سمجھتے ہیں، تو ہمیں ان سے ممتاز کرنے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے مزاج نبوی شریف کے مطابق یہ ارشاد فرمایا کہ تم ٹوپیوں پر عمامہ باندھو کیونکہ ایک طبقہ کفار کا صرف عمامہ باندھتا تھا، تو اس سنت کو بھی باقی رکھا اور محض اس وجہ سے کہ عمامہ کفار بھی استعمال کرتے ہیں، چھوڑ دینا کا حکم نہیں فرمایا بلکہ اس میں اصلاح فرمائی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ عاشورہ کے موقع پر یہود روزہ رکھتے ہیں اس خوشی میں کہ اللہ پاک نے اِس دن حضرت موسیٰ کو نجات دی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **نحن احق بالشکر منھم** (ہم اس پر شکرِ خداوندی کے ان سے زیادہ مستحق ہیں) اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ آئندہ میں حیات رہا تو یوم عاشورہ کے آگے پیچھے ملا کر روزہ رکھوں گا، اس سے بہت کچھ سمجھا جا سکتا ہے۔

اب جبکہ عمامہ میں ملائکۂ کرام کی مشابہت کا پہلو ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ حضرات انبیاءؑ کا ذوق اور مزاج بھی ہو، اور خود سید الاولین والآخرین حضرت محمد ﷺ کے ارشادات کثیرہ بھی موجود ہوں تو اس کی اہمیت کس قدر ہوگی؟ کہ اب اس میں تشبہ بالانبیاء بھی ہے اور تشبہ بالرسول ﷺ بھی ہے جو کہ اتباعِ سنت کی حقیقت ہے، اگر صرف اسی حیثیت سے اس کو دیکھا جائے تو اس سے ایک بہت بڑا بصیرت کا باب واضح ہوتا ہے،

جس پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند "**مسئلة التشبه فی الاسلام**" میں ص ۱۸ر پر لکھتے ہیں: "اسلئے نتیجتاً کہنا پڑتا ہے کہ اسلامی قوم کا تمام تر عروج وارتقاء ان جیسا (انبیاء اور صحابہ) ہونے اور ان کی ظاہری وباطنی مشابہت پیدا کرنے میں پنہاں ہے، اور جبکہ اسی مشابہت وپیروی اسوۂ حسنہ کی بدولت قرن اول کی صلاح وفلاح اور عالمگیر سرداری دنیا پر قائم ہوئی تو پھر ضروری ہے کہ اسی اتباع وپیروی کی بدولت آج بھی دنیا صلاح وفلاح کا چہرہ دیکھ سکتی ہے، ورنہ کچھ دور نہیں کہ امت پر پھر وہی دورِ جاہلیت عود کر آئے جس کا اس اتباع رسالت کے دور سے پہلے دور دورہ تھا، **العیاذ باللّٰہ**۔

مسلمانوں کی ترقی کا راز تشبہ بالصالحین ہے:

پس ہماری انفرادی واجتماعی زندگی کے حسن وقبح یا شوکت وپستی کا واحد معیار ایک یہی نبوت کا اسوۂ حسنہ نکل آیا اور تمام کھلے اور چھپے ہوئے امراض کا واحد اور مؤثر علاج اگر ہے تو صرف یہی کہ ہم بجائے آگے بڑھنے کے چودہ صدی پیچھے ہٹ کر اس اتباعِ اسوہ کا ربقہ (پھندا) اپنے گلے میں ڈال لیں اور اتباع کو چھوڑ کر اتباع اختیار کر لیں۔

قرآن کریم نے اسی اسوۂ حسنہ کی پیروی کا فرمان ان پرشوکت الفاظ میں صادر فرمایا کہ: **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ** (تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کیلئے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے ڈرتا ہے اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہے، رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے) دوسری جگہ حکماً کہا کہ رسولؐ کے لائے ہوئے علمی وعملی نمونوں کو قبول کرو۔ **مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ**

فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (رسول ﷺ تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں رک جایا کرو)۔ پھر خود صاحبِ اُسوہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: أما بعد: فَاِنَّ خَيرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيرَ الهدىِ هدىُ محمدٍ ﷺ وشرَّ الامورِ محدثاتُها وكلُّ بدعةٍ ضَلَالَةٌ (بعد الحمد والصلوٰۃ: بہترین علم اللہ کی کتاب ہے اور بہترین خصلت (عمل) خصلت محمدیؐ ہے اور بدترین امور نئی بدعتیں ہیں اور ہر ایک بدعت گمراہی ہے)۔

دوسری جگہ فرمایا: من حفظ سنتی اکرمه الله تعالیٰ باربع خصال المحبة فی قلوب البررة والهيبة فی قلوب الفجرة والسعة فی الرزق والثقة فی الدين (جس نے میری سنت کا تحفظ کیا خدا تعالیٰ چار باتوں سے اس کی تکریم فرمائیں گے: پاکبازوں کے دل میں اس کی محبت ڈالدیں گے اور بدکاروں کے دلوں میں ہیبت۔ رزق کو فراخ کردیں گے اور دین میں پختگی نصیب فرماویں گے۔

امام زہریؒ نے فرمایا: الاعتصامُ بالسنةِ نجاةٌ (سنت کا دامن سنبھالنا نجات ہے)۔

امام مالکؒ نے فرمایا: ان السنّة مثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها غرق (سنت کی مثال کشتیٔ نوح کی سی ہے جو اس میں سوار ہو گیا بچ گیا اور جو اس میں نہ آیا غرق ہوا)۔

پھر اس اتباع اُسوہ سے انحراف کرنے پر قرآن نے دنیا کے فتنوں اور آخرت کے عذاب الیم سے ڈرایا ہے فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ

فِتْنَةٌ اَوْيُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (سو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی آفت آن پڑے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔ کہیں شقاق رسولؐ اور عامۂ مسلمین کے ڈگر سے الگ ہو جانے پر جہنم کی دھمکی دی: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآئَتْ مَصِيْراً (جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو ہر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ جگہ ہے جانے کی) کہیں دھمکایا کہ تحکیمات نبویہ سے دل تنگ ہونے پر ایمان ہی باقی نہیں رہ سکتا: فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَيَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّاقَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً (پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہونگے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرادیں، پھر اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کریں)۔

اور کہیں فیصلہ سنایا کہ کسی کام میں حکم خدا اور رسول آجانے کے بعد کسی کا اپنا اختیار اس کام میں باقی نہیں رہ سکتا، وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلاَمُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْراً اَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیدیں کہ ان کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار رہے)۔ اور آخر میں قرآن کے مصدّق اول حضرت صادق مصدوق محمد رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کی یہ بلیغ اور جامع شرح فرمادی کہ: لایؤمن احدکم حتی

یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میرے آوردہ احکام کے تابع نہ ہو جائیں۔

پس جبکہ اسلامی زندگی کے تمام پہلوؤں کی صحت وسقم کا معیار صرف آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ ٹھہر گئی، تو اب تم تہذیب وتمدن کا اچھے سے اچھا نمونہ لے آؤ، عبادت وریاضت اور نفس کشی کی سخت سے سخت مثالیں پیش کرو، اور اخلاق ومعاشرت کی بے حد خوش آئند صورتیں دکھلاؤ لیکن اگر وہ اس ربّانی نمونہ پر منطبق نہ ہوں جو تمہارے لئے بھیجا گیا اور ٹھیک اسی اُسوہ کے مشابہ نہ ہوں جو کامل بنا کرا تارا گیا، تو ناممکن ہے کہ وہ قبولیت کا شرف پاسکیں یا بارگاہ الٰہی تک پہنچ سکیں۔ بہرحال مقبولیت صرف انہیں اوضاع واطوار اور احوال وکیفیات میں دستیاب ہوسکتی ہے جن کو آپ اپنی ذات اقدس میں لیکر شرف افزائے عالم ہوئے، اور اس کے سوا ہر راہ خطرناک اور ہر طریق ہلاکت انگیز ہے۔

اس اتباع سنن نبوی کا نام اتباع سنت یا تشبّہ بالانبیاء ہے اور اس اتباع سے منحرف ہوکر دوسری مِلل واقوام کی پیروی کرنے کا نام تشبّہ بالاغیار ہے، جس پر بحث کرنے کیلئے ہمیں اس وقت قلم اٹھانے کی توفیق ہو رہی ہے اور ہمیں اس خوش قسمتی پر انتہائی مسرت ہے کہ ہم نے اسلام کے ایک ایسے اصولی مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے جو مسلم افراد اور مسلم قوم کی مقبولیت ونامقبولیت کا واحد معیار اور رضاء ونارضاء الٰہی کا تنہا مدار ہے اور جس کی ہمہ گیری سے اسلامی تعلیم کا کوئی شعبہ بچا ہوا نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

باب نمبر(۲)

سنتِ عمامہ احادیثِ رسولؐ کے آئینہ میں

(از سبل الہدیٰ والرشاد للامام محمد بن یوسف صالحیؒ دمشقیؒ)

علامہ خطابیؒ اور حافظ ابن عساکرؒ نے عبداللہ ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے دیکھا، جس کا کنارہ آپ نے سامنے کی جانب لٹکا رکھا تھا۔

روی الحارث بن أبی اسامة وابو القاسم البغوی وابن عدی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن النبی ﷺ دخل یوم فتح مکة وعلیہ عمامة سوداء، زاد فی روایة بغیر احرامٍ۔

(أخرجه البیهقی فی دلائل النبوة، ۶۷/۵)۔

حارث بن ابی اسامہ، ابوالقاسم بغوی اور ابن عدی جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز نبی اکرم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ (کے سر) پر سیاہ عمامہ تھا، ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ آپ اس وقت بغیر احرام کے تھے۔

وروی ابن عدی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ رأی رسول اللہ ﷺ یعتم بعمامة سوداء۔ (أخرجہ ابن عدی فی الکامل، ۲۳۲۸/۶)

ابن عدیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔

وروی مسلم والاربعة والترمذی فی الشمائل عن عمرو بن حریث أن النبی ﷺ خطب الناس وعلیه عمامة سوداء وللمسلم قد أرخی طرفها بین کتفیه۔

امام مسلمؒ اصحاب سنن اور امام ترمذیؒ نے شمائل میں عمرو بن حریثؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا (یعنی فتح مکہ کا قصہ مکمل ہونے کے بعد عندباب الکعبة) اور آپ (کے سر) پر سیاہ عمامہ تھا، اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان چھوڑ رکھا تھا۔

(أخرجه مسلم ۲/۹۹۰۔ ابوداؤد فی کتاب اللباس ۲۰/۲۱۔ والترمذی فی کتاب اللباس ۱۱/ والنسائی فی کتاب المناسک ۱۰۷/ وابن ماجة فی کتاب اللباس ۱۴)۔

روی الامام احمد والترمذی عن ابن عباسؓ قال: خطب رسول الله ﷺ الناس وعلیه عمامة دسمة (اخرجه الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۵)۔

امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور آپ (کے سر) پر خاکستری عمامہ تھا۔

روی النسائی عن عمرو بن حریثؓ قال رأیت لرسول الله ﷺ عمامة حرقانیة۔

امام نسائیؒ نے حضرت عمرو بن حریثؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے (سرِ مبارک پر) خاکستری رنگ کا عمامہ دیکھا۔

روی ابن عدی بسند ضعیف، عن جابرؓ قال : کان لرسول الله ﷺ عمامة سوداء یلبسها فی العیدین ویرخیها خلفه۔

ابن عدیؒ نے بسندِ ضعیف حضرت جابر بن عبداللہؓ سے نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سیاہ رنگ کا عمامہ تھا، جسے آپ عیدین میں پہنا کرتے تھے اور اس کا شملہ پیچھے کی طرف لٹکاتے تھے۔

وروی ابو داؤد عن انسؓ قال: رأیت رسول الله ﷺ یتوضأ وعلیه عمامة قطریة فأدخل یده من تحت العمامة فمسح مقدم رأسه ولم ینقض العمامة۔ (ابوداؤد ، باب المسح علی العمامة، ۱/۲۰۰۱۹)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا آپ ﷺ کے سر پر قطری عمامہ تھا، آپ نے عمامے کے نیچے اپنا ہاتھ داخل فرمایا اور سر کے اگلے حصہ کا مسح فرمایا اور عمامہ کو نہیں کھولا (قطری ایک قسم کی موٹی چادر ہوتی ہے)۔

روی ابن سعد عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کانت عمامة رسول الله صلی الله علیه وسلم سوداء (أخرجه ابن شیبة فی مصنفه ۸/۲۳۴)۔

ابن سعد حضرت حسنؓ سے روایت کرتے ہیں آپؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کا عمامہ سیاہ تھا۔

عن سفیان بن ابی الفضل عن الحسن رضی الله تعالی عنه قال: کانت عمامة النبی صلی الله علیه وسلم سوداء۔

(مصنف ابن ابی شیبہ/ص ۴۲۲/ ج ۸) (وکذا أخرجه ابن سعد ، الحاوی للفتاویٰ/ص ۷۷/ ج ۱)

سفیان بن ابی الفضلؒ نے حضرت حسنؓ سے نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کا عمامہ سیاہ تھا۔

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: كانت عمامة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم سوداء یوم ثنیة الحنظل وذٰلک یوم الخندق۔ (شعب الایمان رص ۱۷۳ رج ۸)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ غزوۂ خندق کے دن حضور اکرم ﷺ کا عمامہ سیاہ تھا۔

عن مساور الورّاق رضی اللہ تعالیٰ عنه قال وكأنّي انظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وعلیه عمامة سوداء قد أرخٰی علیه طرفیها بین کتفیه وقال یوم فتح مكة (ایضاً) حضرت مساور الورّاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا میں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں، کہ آپ کے سرِ مبارک پر سیاہ عمامہ ہے، جس کے دونوں کنارے آپ ﷺ نے دونوں شانوں کے مابین لٹکا رکھے تھے۔

عن سفیان عن من سمع الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول كانت رأیةُ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم سوداء تسمی العقاب وعمامته سوداء۔ رواہ ابن سعد (الحاوی للفتاویٰ رص ۷۷ ر۱)۔

سفیان نے اس شخص سے روایت کیا ہے جس نے حضرت حسنؓ کو یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کا ''عقاب'' نامی جھنڈا کالا تھا اور آپ کا عمامہ بھی کالا تھا، ابن سعد نے اس کو روایت کیا ہے۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال كان للنبی صلی اللہ علیه وسلم عمامة سوداء یلبسها فی العیدین ویرخیها خلفه . رواہ ابن عدی (ایضاً)۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سیاہ عمامہ تھا جسے آپ عیدین کے موقع پر زیب تن فرمایا کرتے اور اس کا شملہ پیچھے کی جانب چھوڑتے تھے۔ ابن عدی نے اسے روایت کیا ہے۔

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنه ان جبریل علیه السلام نزل علی النبی صلی اللہ علیه وسلم وعلیه عمامة سوداء قد أرخٰی ذوابته من ورائه۔ رواہ الطبرانی (ایضاً)۔

حضرت ابو موسیٰؓ سے منقول ہے کہ جبرئیلؑ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آئے اور ان (کے سر) پر سیاہ عمامہ تھا جس کا شملہ انہوں نے اپنے پیچھے کی جانب چھوڑ رکھا تھا۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔

روی الطبرانی والبیهقی وابو موسیٰ المدنی واسناده علی شرط الصحیح الاابا عبدالسلام، وهو ثقة عن ابی عبدالسلام بن أبی حازم رحمه اللہ تعالیٰ قال: كان یدیر كور العمامة علی رأسه یقرنها وفی روایة ویغرزها من ورائه ویرسل لها ذؤابة بین کتفیه۔

(ذکرہ الهیثمی فی المجمع ۵ر۱۲۳ ر وقال: رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجاله رجال الصحاح خلا اباعبدالسلام وهو ثقة)۔

ابو عبدالسلام بن ابی حازمؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن عمرؓ سے پوچھا کہ رسول اکرم ﷺ عمامہ کس طرح باندھا کرتے تھے؟ تو ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ عمامہ کے پیچ کو اپنے سر مبارک پر گول لپیٹ لیا کرتے اور اس کو ملایا کرتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ سامنے کی جانب سے آپ عمامہ کو باندھا کرتے اور اپنے دونوں شانوں کے

درمیان اس کا شملہ چھوڑ دیتے تھے۔

حضور ﷺ کے زرد عمامہ زیب تن کرنے اور سر پر پٹی باندھنے کا ذکر

روی ابن عساکر قال:اخبرنا ابوسعید بن البغدادی اخبرنا ابو المظفر محمود بن جعفر بن محمد ومحمد بن احمد بن ابراهیم بن سلمة قالا: اخبرنا ابو علی الحسن بن محمد بن علی بن احمد الشیرازی اخبرنا ابو سمرة حدثنا موسیٰ بن نصر عن ابیه عن ابی هریرة عن بعض اصحاب رسول الله ﷺ أنه قال:ماخرج الینارسول الله ﷺ یوم جمعة الاوهومعتم،وربماخرج فی ازار ورداء وان لم تکن عمامته وصل الخرقة بعضها علی بعض،واعتم بها ورواه ابن عدی الهیثم بن جمیل عن موسیٰ بن مطیر عن ابیه عن عبدالله بن عمر وابی هریرة فذکره قال ابن عساکر : هذاالاسناد أشبه۔

موسیٰ بن نصرؒ اپنے والد سے اور وہ حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: کہ رسول اکرم ﷺ جمعہ کے روز جب بھی ہمارے درمیان تشریف لاتے تو عمامہ زیب تن کئے ہی ہوتے اور کبھی آپ ازار اور چادر میں ہوتے، اور اگر آپ کے پاس عمامہ نہ ہوتا تو کپڑے کی پٹیوں کو ملا کر ان کا عمامہ بنا لیتے۔

حضرت امام غزالیؒ نے ''احیاء العلوم'' میں لکھا ہے کہ جب کبھی آپ ﷺ کے پاس عمامہ نہ ہوتا تو آپ اپنے سر اور پیشانی پر ایک پٹی باندھ لیا کرتے تھے۔

فائدہ: اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ عمامہ کا کس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے اور ماقبل میں ذکر کردہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی

روایت میں آپ ملاحظہ کر آئے کہ عمامہ نہ ہونے کی صورت میں آپ ﷺ کپڑے کی پٹیوں کو ملا کر بطور عمامہ باندھ لیا کرتے تھے۔

روی البخاری عن ابن عباسؓ قال: دخلت علی رسول الله ﷺ وعلیه عصابة دسماء۔ (اخرجه البخاری فی کتاب اللباس ۲۸۵/۱۰)۔

امام بخاریؒ نے عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپ (کے سر مبارک) پر خاکستری رنگ کی ایک پٹی تھی۔

ملحوظہ: یاد رہے کہ یہ روایت صحیح بخاری کی ہے۔

ابن عساکرؒ نے حضرت عبّاد بن حمزہؒ بن عبداللہ ابن زبیرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ جنگِ بدر میں ملائکہ اترے اور ان پر زرد رنگ کے عمامے تھے اور نبی اکرم ﷺ اس حال میں تشریف لائے کہ آپ (کے سر) پر زرد عمامہ تھا۔

حضرت امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ اور ابن حبانؒ نے حضرت عمرو بن حُریثؓ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ''میں گویا نبی اکرم ﷺ کو منبر پر تشریف فرما دیکھ رہا ہوں اور آپ (کے سر) پر سیاہ عمامہ ہے، جس کا کنارہ آپ ﷺ نے دونوں شانوں کے درمیان لٹکا رکھا ہے۔ (اخرجہ مسلم ۹۹۰/۲)۔

امام مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی نے جابر بن عبداللہؓ سے نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ فتح کے دن مکہ میں اس حال میں داخل ہوئے آپ (کے سر) پر سیاہ عمامہ تھا، امام نسائی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے آپ نے شملہ کے کنارے کو

اپنے دونوں شانوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔

(اخرجہ مسلم ۲/۹۹۰/ والبیہقی فی الدلائل ۵/۶۷/ وابن ابی شیبۃ ۸/۲۳۴)۔

امام نسائی نے عمرو بن امیہ ضمریؓ سے نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا: گویا میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ (کے سر) پر سیاہ عمامہ ہے جس کا شملہ آپ نے اپنے شانوں کے درمیان چھوڑ رکھا ہے۔

طبرانیؒ حجاج بن رشدین بن سعدؒ کے طریق سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ثوبانؓ سے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب عمامہ باندھا کرتے تو اس کا شملہ اپنے آگے اور پیچھے کی جانب میں لٹکاتے۔

(ذکرہ البیھقی فی المجمع ۵/۱۲۳/ وقال رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ الحجاج بن رشدین وھو ضعیف)

ابو نعیمؒ نے عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ پیچھے کی طرف چھوڑتے تھے۔

طبرانیؒ نے عیسیٰ بن یونسؒ کے طریق سے نقل کیا ہے، عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم پر عمامے لازم ہیں اس لئے کہ یہ فرشتوں کی نشانی ہے اور اس کا شملہ اپنے پیچھے کی جانب لٹکاؤ۔

(اخرجہ الطبرانی ۱۲/۳۸۳/ وابن عدی ۱/۴۸۰/ وذکرہ المتقی الھندی فی الکنز ۱/۴۱۱۴۰/ والھیثمی فی المجمع ۵/۱۲۳)۔

وروی الطبرانی بسند ضعیف عن ابی امامةؓ قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایولّی والیاً حتیٰ یعممہ ویرخی لھا من الجانب الایمن نحو الأذن۔

طبرانیؒ نے بسندِ ضعیف حضرت ابو امامہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی کو حاکم بنا کر بھیجتے تو اس کو عمامہ باندھتے اور اس کا شملہ کان کی طرف داہنی جانب میں لٹکایا کرتے تھے۔

تنبیہ

اُوپر ذکر کردہ بیشتر روایات میں عمامہ کا رنگ کالا اور خاکستری وارد ہوا ہے اور نزول ملائک مختلف قسم کے رنگ کے عماموں میں ہوا ہے، اس کے باوجود ایک طبقہ مشائخ علماء صلحاء کا سفید رنگ کو پسند کرتا ہے، اس کی وجہ وہ روایت ہے جس میں رسول پاک ﷺ نے عام لباس سفید اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور اس کو **خیر الاوان فی الحیات والممات** قرار دیا ہے **عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ البسوا من ثیابکم البیاض فانھا من خیر ثیابکم وکفنوا فیھا موتاکم۔**

(رواہ الترمذی/ص ۱۹۳/ج۱)

اس کے تحت علامہ انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں: **واحب الاوان الی النبی ﷺ البیاض۔** (العرف الشذی شرح ترمذی/ص ۱۹۴/ج۱)

اور اتباعِ سنت کی فضیلت نفسِ عمامہ سے حاصل ہو جائے گی۔

(کذا فی الدعامہ فی احکام سنۃ العمامہ/ص ۸۵)

چنانچہ کالے عمامہ پر بہت سے صحابہ وتابعین کا عمل رہا ہے، مثلاً حضرت علیؓ، حضرت حسن بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت انسؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت سعید بن المسیبؒ وغیرہم۔ اور خلفاء بنو عباس بھی کالا عمامہ ہی استعمال

کرتے تھے اور وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ کالے رنگ کا عمامہ رسول پاک ﷺ نے اپنے عمّ محترم حضرت عباسؓ کو عنایت فرمایا تھا جو ان کے خاندان میں چلا آرہا تھا جو بادشاہ بنتا تھا اس کے سر پر وہ بطور تاج رکھا جاتا تھا، اور رسول پاک ﷺ کا ایک عمامہ سحاب نام کا بھی تھا جس کا ذکر حضرت علیؓ کے تذکرہ میں موجود ہے۔

ان احادیث کو دیکھ کر فقہائے احناف میں سے بعض نے اس کی صراحت کی ہے کہ سیاہ عمامہ کا استعمال مسنون ہے اور حضرت علامہ سیوطیؒ نے مستقل اس پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔

ٹھوڑی کے نیچے سے عمامہ باندھنا

قال فی زاد المعاد : کان صلی اللہ علیہ وسلم یتلحیٰ بالعمامة تحت الحنک انتھیٰ ۔

علامہ ابن قیمؒ زادالمعاد میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ٹھوڑی کے نیچے سے عمامہ باندھتے تھے۔

امام محمد بن یوسف صالحیؒ فرماتے ہیں کہ عمامہ ٹھوڑی کے نیچے سے باندھنا حضور اور سلفِ صالح کا معمول تھا، حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں میں نے مسجد نبوی (علیٰ صاحبہا الف الف صلاۃ) میں ستر ایسے افراد دیکھے جنہوں نے عمامے ٹھوڑی کے نیچے سے باندھ رکھے تھے (جن کی منزلت یہ تھی) کہ اگر ان میں سے کسی ایک فرد کے پاس بیت المال امانت رکھ دیا جائے تو وہ بالیقین اس میں امانت دار ثابت ہو۔

☆☆☆☆☆

باب نمبر(۳)

عمامہ کی سنّیت اور اہمیت

بعض محدثین نے اس کو آپ ﷺ کی سنت مستمرہ میں شمار کیا ہے، جیسا کہ امام المحدثین محبوب العلماء والصلحاء مرکز علماء حق، مرجع خلائق حضرت اقدس شیخ زکریا قدس سرہ نے ”خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی“ میں بحث عمامہ میں، نیز محدث العصر رئیس المدرسین مظاہر علوم سہارنپور حضرت اقدس مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم العالیہ الدر المنضود شرح ابوداود میں اور ان سب کے بڑے جامع الصفات والکمالات صاحب بذل المجہود، محبوب المعبود خلیل الرحمٰن حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ نے اور مزید لکھا کہ امام کیلئے تو اور بھی زیادہ مؤکد ہے۔ (دیکھئے بذل المجہود لحل ابی داؤد)

نیز احادیث وسیر وتاریخ کی کتابوں میں جہاں جہاں بھی عام زندگی کے متعلق نبی اکرم ﷺ کے سر مبارک پر کپڑا ہونے یا نہ ہونے کا ذکر وارد ہوا ہے آپ ﷺ کے سر مبارک پر عمامہ یا ٹوپی کا تذکرہ ۹۹ ر فیصد وارد ہوا ہے، صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعین، محدثین، فقہاء، اور علماء کرام نبی اکرم ﷺ کی اس سنتِ مبارکہ پر بڑے شوق سے عمل کیا کرتے اور عمامہ استعمال کرتے تھے۔

(۱) فتح الباری میں ہے: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا عمامہ باندھنا سنت ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ”ہاں سنت ہے“ (فتح الباری ۱۰/۳۳۶ر)۔

عمدۃ القاری شرح بخاری باب العمائم میں ہے: ولم یذکر البخاری

فی هذا الباب شيئا من امور العمامة فكانه لم يثبت عنده على شرطه فى العمامة شىء وفى كتاب الجهاد لابن ابى عاصم حدثنا ابو موسىٰ حدثنا عثمان بن عمر عن الزبير ابن جوان عن رجل من الانصار قال جاء رجل الى ابن عمر فقال يا ابا عبدالرحمن العمامة سنة؟ة فقال نعم قال رسول اللّٰه ﷺ لعبدالرحمن بن عوف اذهب فاسدل عليك ثيابک والبس سلاحک ففعل ثم اتى النبى ﷺ فقبض ماسدل بنفسه ثم عممه فسدل من بين يديه و من خلفه (عمدة القارى ،ص۳۰۷،ج۲۱)۔

(۲) حضرت عمرو بن حریثؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا تو آپ کے (سر کے) اوپر کالا عمامہ تھا۔ (صحیح مسلم)

(۳) عن جابر بن عبداللّٰه أن النبى ﷺ دخل يوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء۔ (صحیح مسلم، ج۱/۴۳۹)

بہت سے صحابۂ کرام مثلاً حضرت جابر اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر پر کالا عمامہ تھا۔ (صحیح مسلم)

(۴) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے (مرض الوفات) میں خطبہ دیا تو آپ ﷺ (کے سر) پر کالا عمامہ تھا (شمائل ترمذی، صحیح بخاری)۔

(۵) عن ابى سعيد الخدرى قال: كا ن رسول اللّٰه ﷺ اذا استجدَّ ثوباً سَمَّاهُ باسمه عمامة أو قميصاً أورداء ثم يقول "اللهم لک الحمد كما كسوتنيه ، اسألک خيره وخير ما صنع له وأعوذبک من

شره وشر ماصنع له۔ (ترمذی ، اللباس، مایقول اذالبس ثوبا جدیداً، ج۱/۳۰۶)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جب نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام رکھتے عمامہ یا قمیص، یا چادر، پھر یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ أَسْئَلُکَ مِنْ خَيْرِهٖ وَخَيْرِ مَا صُنِعَ لَهٗ وَأَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ ۔ ترجمہ: اے میرے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے یہ پہنایا، میں اس کپڑے کی خیر اور جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے اس کی خیر مانگتا ہوں اور اس کی اور جس کیلئے یہ بنایا گیا ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ عمامہ باندھنا بھی حضور اکرم ﷺ کی سنتِ شریفہ تھی۔

(۶) عن انس بن مالک قال: رأيت رسول اللّٰه ﷺ يتوضأ وعليه عمامة قطرية فأدخل يده من تحت العمامة فمسح مقدّم رأسه ولم ينقض العمامة۔ (سنن ابی وداود ، باب المسح علی العمامة ، ۱/۱۹، ۲۰).

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا، آپ ﷺ (کے سر) پر قطری عمامہ تھا، آپ ﷺ نے عمامہ کے نیچے اپنا ہاتھ داخل فرمایا اور سر کے اگلے حصے کا مسح فرمایا اور عمامہ کو نہیں کھولا۔ (قطری) یہ ایک قسم کی موٹی چادر ہوتی ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اکثر اوقات عمامہ باندھے ہوئے رہتے تھے۔

(۷) قال سمعت الزهرى قال اخبرنى سالم عن ابيه عن النبى ﷺ قال: لا يلبس المحرم القميص ولا العمامة ولا السراويل والبرنس۔ (صحیح بخاری، العمائم ۲/۲۶۳)۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مُحرِم (یعنی

حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والا مرد) کرتا، عمامہ، پائجامہ اور ٹوپی نہیں پہن سکتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے دورِ مبارک میں عمامہ عام طور پر پہنا جاتا تھا، حضرت امام بخاریؒ نے اس حدیث پاک کو پیش کر کے یہ بتایا کہ غیر محرم کو عمامہ کا اہتمام کرنا چاہئے، کیونکہ اس کے لئے کوئی بندش نہیں ہے، بندش تو صرف محرم کے حق میں ہے۔

(۸) عن رکانۃؓ عن النبی ﷺ قال: فرقُ مابیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانسِ۔ (ترمذی، کتاب اللباس، ج۱/ص۳۰۸)

حضرت رکانہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہے۔ (سنن ترمذی)

یعنی مسلمان ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھتے ہیں، بخلاف مشرکین کے کہ وہ بغیر ٹوپی اوڑھے عمامہ باندھتے ہیں (بذل) ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں اس مطلب کو طیبی اور ابن الملک وغیرہ شراح کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض شراح نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ مشرکین صرف ٹوپی پر اکتفا کرتے ہیں اور مسلمین ٹوپی کے اوپر عمامہ بھی باندھتے ہیں۔

(عون) (الدر المنضود فی شرح ابی داود)

اوپر مرقاۃ کا جو حوالہ آیا تھا اس کی تفصیل اس طرح ہے:

(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب واسنادہ لیس بالقائم قلت ورواہ أبو داد وسکت عنہ ولعل اسنادہ قائم أو یحصل القیام بھما وعن الجوزی قال بعض العلماء السنۃ ان یلبس القلنسوۃ والعمامۃ فأما لبس القلنسوۃ فھو زی المشرکین لما فی حدیث أبی داود والترمذی عن رکانۃ الحدیث الخ وفیہ انہ ینافیہ ماسبق من الشراح لکن قال میرک

وروی عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یلبس القلانس تحت العمائم ویلبس العمائم بغیر القلانس الخ ولم یروانہ ﷺ لبس القلنسوۃ بغیر العمامۃ فیتعین ان یکون ھذا زی المشرکین. (مرقاۃ المفاتیح/ص ۲۴۹)۔

(۹) عن عبادۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ علیکم بالعمائم فانھا سیماء الملائکۃ وأرخوھا خلف ظھورکم۔

رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس ۳۷۷)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ عمامہ تم پر لازم ہے اس لئے کہ عمامہ فرشتوں کی علامت ہے اور تم عمامہ کا شملہ پیچھے لٹکاؤ۔

(مشکوٰۃ المصابیح ۳۷۷)

فائدہ: پیش نظر روایت سے سنتِ عمامہ کا غایت درجہ اہتمام ثابت ہوتا ہے۔

(۱۰) عن جعفر بن عمرو بن امیّۃ عن أبیہ قال: رأیت النبی ﷺ یمسح علی عمامتہ وخفّیہ۔

حضرت عمرو بن ضمریؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو عمامہ اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔ (صحیح بخاری، ۱/۳۳)

(۱۱) وعن ابن عمرؓ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا اعتم سدل عمامتہ بین کتفیہ. رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن غریب (مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس ۳۵۴)۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب عمامہ باندھا کرتے تو اس کا شملہ اپنے دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکاتے۔

(۱۲) وعن عبدالرحمن بن عوف قال: عممنی رسول اللہ ﷺ

فسد لها بين يدى ومن خلفى (ابوداؤد، کتاب اللباس باب العمائم، ۲/۵۶۴)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ اک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر عمامہ باندھا تو اس کا اک سرا میرے آگے کی جانب اور ایک پیچھے کی جانب لٹکایا۔

(۱۳) عن مساور الورّاق قال: حدثنی وفی حديث الحلوانی سمعت جعفر بن عمرو بن حريث عن ابيهؓ قال: كأنىّ انظر الى رسول الله ﷺ على المنبر وعليه عمامة سودآءُ قد أرخىٰ طرفيها بين كتفيه ولم يقل ابوبكر على المنبر۔ (صحیح مسلم، ۱/۴۴۰۔ شعب الایمان، ۱۷۳/۵)

عمرو بن حریثؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: گویا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو منبر پر تشریف فرما دیکھتا ہوں دراں حالیکہ آپ (کے سر) پر سیاہ عمامہ ہے جس کے دونوں کنارے آپ نے اپنے شانوں کے درمیان لٹائے ہیں، اور ابوبکر نے (اپنی روایت میں) ''علی المنبر'' کے الفاظ بیان نہیں کیئے۔

(۱۴) عن عبداللّٰه بن بسرؓ قال: بعث رسول الله ﷺ على بن ابى طالبؓ الىٰ خيبر فعممه بعمامة سودآء ثم أرسلها من ورائه أوقال على كتفه اليسرىٰ۔ (رواه الطبرانی (مجمع الزوائد ۲۶۷/۵)

عبداللہ بن بسرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو خیبر روانہ کیا تو ان کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا اور اس کا شملہ پیچھے کی جانب یا (راوی کو شک ہے) ان کے بائیں کندھے پر چھوڑا۔

باب نمبر :(۴)

احادیث شریفہ میں عمامہ کی فضیلت

(چند اقتباسات)

از: الدعامة فی أحكام سنة العمامة للامام محمد ابن جعفر الكتانیؒ

(۱) امام ابو جعفر الکتانیؒ ''الدعامة فی أحكام سنة العمامة'' میں لکھتے ہیں: حضرت مقاتل ابن حیان نے فرمایا کہ اللہ پاک نے حضرت عیسیٰؑ کے پاس وحی بھیجی کہ اے پاک باز عورت کے پاک بیٹے میں نے تجھ کو بغیر باپ کے پیدا کر کے تمام انسانوں کیلئے اپنی قدرت کی ایک نشانی بنایا ہے، تاکہ تو میری ہی عبادت کرے اور مجھ ہی پر بھروسہ کرے اور لوگوں کو بتا دے کہ میں اللہ الحی القیوم ہوں اور برابر تصدیق کرے اس نبی امی کی جو صاحب جَمَل، صاحب عمامہ اور صاحب نعلین ہونگے، اس جگہ پر اللہ پاک نے اپنے پیغمبرؑ کو جہاں اور باتوں سے یاد کیا وہیں آپ کو ''صاحب العمامہ'' بھی فرمایا، جس طرح رسول پاک ﷺ کو صاحب التاج کہا جاتا ہے اسی طرح صاحب العمامہ بھی کہا جاتا ہے، دراصل عمامہ اور تاج عزت ورفعت کی نشانی ہے جو سردار کے لائق اور شایان شان ہوتی ہے۔

(۲) صاحب ''محاضرۃ الاوائل'' نے علامہ سیوطیؒ کی اتباع میں ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے اپنے سر پر عمامہ حضرت آدمؑ نے باندھا، جب انہوں نے اس کا ارادہ کیا تو حضرت جبریلؑ نے ان کو اس کا طریقہ بتایا اور عمامہ کو ان کے سر پر باندھا، حضرت آدمؑ

کے بعد حضرت ذوالقرنینؑ نے اس کا استعمال کیا۔

(۳) نیز حضرت علیؓ سے منقول ہے **العمائم تیجان العرب والاحتباء حیطانها وجلوس المؤمن فی المسجد رباطه**. یعنی عمامے عربوں کے تاج ہیں اور گوٹ باندھ کر بیٹھنا ان کی دیوار ہے اور مسلمان کا مسجد میں بیٹھنا رباط ہے، اس میں ایک راوی پر سخت کلام ہے، امام نسائی نے فرمایا کہ یہ روایت قوی ہے اور ایک جگہ فرمایا کہ ضعیف ہے۔

(۴) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح کا جملہ منقول ہے کہ ’’عمامے عربوں کے تاج ہیں اور جب وہ عماموں کو اپنے سروں سے اُتار پھینکیں گے تو ان کی عزت خاک میں مل جائیگی‘‘ اس روایت کی سند پر بھی کلام کیا گیا ہے، امام نسائی نے فرمایا کہ یہ روایت متروک ہے۔

(۵) حضرت عمران ابن حصینؓ سے بھی اسی طرح کا جملہ نقل کیا گیا ہے کہ عمامے مومن کے لئے وقار کا باعث ہے اور عربوں کے لئے عزت کا ذریعہ ہے، اسی طرح کا جملہ حضرت مکحول شامیؒ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

(۶) حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے کہ رسول پاک ﷺ نے غدیر خم کے موقع پر میرے سر پر عمامہ باندھا اور میرے کندھوں پر اس کا شملہ لٹکایا اور یہ بھی فرمایا کہ بدر وحنین کے دن اللہ پاک نے جن فرشتوں کے ذریعہ سے میری مدد فرمائی تھی وہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔

(۷) نیز یہ بھی فرمایا کہ عمامہ ایمان اور کفر والوں کے درمیان ایک حاجز

اور حجاب ہے۔

(۸) مسند فردوس میں دیلمیؒ نے اس کو بھی نقل کیا ہے کہ میری امت فطرت یعنی خیر وبرکت پر رہے گی، جب تک کہ وہ ٹوپیوں کے اوپر عمامے باندھتے رہیں گے، اس کی سند بھی نہایت کمزور ہے۔

(۹) امام ابن عدیؒ نے اپنی کتاب ’’الکامل‘‘ میں حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے نقل کیا **علیکم بالعمائم فانها سیماء الملائکة** ۔عمامے تم پر لازم ہیں اس لئے کہ وہ ملائکہ کی نشانی ہیں۔

اس مضمون کی روایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے: **قال رسول اللہ ﷺ علیکم بالعمائم فانهاسیماء الملائکة وأرخوهاخلف ظهورکم** (مجمع الزوائد ۱۲۰ ر ج ۵) اس میں بھی بعض راویوں پر کلام ہے۔

فائدہ: اس حدیث پاک میں آپ ﷺ نے عمامہ کا حکم فرمایا ہے اس لئے کہ ’’علیکم‘‘ عربی زبان وقواعد کے لحاظ سے ’’الزموا‘‘ صیغۂ امر کے معنی میں ہوتا ہے گرچہ علماء اس سے وجوب عمامہ کو تو ثابت نہیں کرتے مگر بہر حال اس سے عمامہ شریف کا سنت ہونا بلکہ اہم سنت ہونا تو ضرور ثابت ہوگا۔

(۱۰) حضرت جابرؓ سے ’’مسند فردوس‘‘ میں نقل کیا گیا ہے کہ وہ دو رکعات جو عمامہ کے ساتھ پڑھی جائیں ان سے بہتر ہیں جو بغیر عمامہ کے ہوں۔ علامہ مناویؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: وجہ اس کی یہ ہے کہ نماز میں فرشتے بھی آتے ہیں، لہذا نماز

میں بغیر عمامہ کے آنا خلاف ادب ہے، لیکن اس حدیث پر بھی علماء نے کلام کیا ہے۔

(۱۱) اسی طرح کی روایت علامہ ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں ذکر کی ہے کہ وہ فرض جو عمامہ کے ساتھ ہوں یا وہ نفل نماز جو عمامہ کے ساتھ ہو، دوسری نمازوں کے مقابلہ میں پچیس گنا ثواب میں زیادہ ہوتی ہے، اور وہ جمعہ جو عمامہ کے ساتھ ہو ستر جمعہ بلا عمامہ کے برابر ہوتا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس کو موضوع بتایا ہے۔

(۱۲) امام مکحول الشامیؒ نے حضرت ابوالدرداءؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اللہ پاک اور فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھنے والوں پر خاص رحمتیں بھیجتے ہیں اور دوسری روایت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھنے والوں کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، امام نسائیؒ نے کہا ہے کہ یہ روایات بھی ضعیف ومنکر ہیں۔

(۱۳) حضرت انسؓ سے بھی اس قسم کی روایات نقل کی گئی ہیں کہ جامع مسجد کے دروازوں پر فرشتے مقرر ہوتے ہیں جو کہ جمعہ کے دن عمامہ باندھنے والوں کیلئے خاص دعائیں اور استغفار کرتے ہیں، امام غزالیؒ نے اس قسم کی احادیث سے جمعہ کے دن خطباء اور مصلیوں کیلئے عمامہ کا استعمال مستحب قرار دیا ہے۔ اگر گرمی کی وجہ سے استعمال کرنا دشوار ہو تو نماز کیلئے جاتے وقت تو استعمال کر ہی لینا چاہئے۔

مجمع الزوائد میں بھی اس قسم کی روایت نقل کی گئی **من حدیث ابی درداءؓ ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی أصحاب العمائم یوم الجمعۃ فی الجمعۃ**۔ (ص ۱۲۱/ج ۵)۔

(۱۴) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ عمامہ کا استعمال کرو اس

سے تمہارا حلم بڑھے گا ’’**اعتموا تزداد وا حلماً** یا **البسوا عمائم تزدادو حلماً** یعنی عمامہ سے انسان کے وقار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث ابن عباسؓ میں جو مضمون ہے اسی طرح کا مضمون بعینہ حضرت اسامہؓ اپنے والد ابن زید سے بھی نقل کرتے ہیں: **قال رسول اللّٰہ ﷺ اعتموا تزدادو حلماً** مجمع الزوائد ص ۱۱۹/ میں کہ ان روایتوں کے بعض رواۃ کمزور ہیں۔

(۱۵) امام بیہقیؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک بار رسول پاک ﷺ کے پاس صدقہ کے کپڑے آئے، رسول پاک ﷺ نے ان کپڑوں کو اپنے اصحاب کے درمیان تقسیم فرمایا اور فرمایا کہ عمامہ باندھو، اور اپنے سے پہلی امتوں کی مخالفت کرو، **اعتموا وخالفوا الامم قبلکم**۔

(۱۶) **عن عائشۃؓ قالت عمّم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبدالرحمن بن عوف وأرخی لہ أربع أصابع وقال إنی لما صعدت إلی السماء رأیت أکثر الملائکۃ معتمین**۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط عن شیخہ مقدام بن داؤد وھو ضعیف)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے عمامہ باندھا اور چار انگشت کی بقدر اس کا شملہ لٹکایا اور یہ بھی فرمایا کہ جب میں شب معراج میں آسمانوں کی سیر کر رہا تھا تو میں نے وہاں اکثر فرشتوں کو عماموں میں دیکھا تھا، امام طبرانیؒ نے اس کو نقل کیا ہے اپنے شیخ مقدام ابن داودؒ سے جن کو ضعیف کہا گیا ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۲۰، ج ۵)

مجمع الزوائد میں ان روایات کا ذخیرہ نقل کیا ہے جن راویوں میں جو ضعیف ہیں

ان کو بھی ذکر کیا ہے، مگر یہ نہیں فرمایا کہ یہ ساری روایات سرے سے موضوع ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں۔

شیخ عبدالرؤف مناویؒ اس سب کے بعد لکھتے ہیں کہ اس پورے مجموعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عمامہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ بہت ساری روایات جو آپ نے عمامہ کی فضیلت میں ابھی پڑھی اور دیکھی ہیں، جن کو محدثین نے سند کے اعتبار سے ضعیف کہا کہ اس میں فلاں راوی ہے جو ضعیف ہے، اور فلاں راوی ہے جو کمزور ہے، اور فلاں راوی ہے جو ایسا ہے، لیکن جب ایک مجموعہ موجود ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کی فضیلت نفس الامر میں ثابت ہے، اور محدثین کا ضابطہ ہے کہ اگر کسی باب میں بہت سی روایات ضعیف ہوں تو سب ملکر مجموعہ قوی ہو جاتا ہے اور بعض کو بعض سے تقویت ہو جاتی ہے اور خاص طور پر جبکہ رسول پاک ﷺ کا عمل شریف اور اس پر مواظبت موجود ہو تو اس سے اور بھی زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے، یہ محدثین کا ایک عام ضابطہ ہے، ہم یہاں پر بالخصوص سنت عمامہ کے تعلق سے وارد ہونے والی ضعیف روایات کے بارے میں ''جمع الوسائل فی شرح الشمائل'' سے شیخ عبدالرؤف المناویؒ کا یہ فیصلہ ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں: فرماتے ہیں: **والعمامة سنة لا سيّما للصلاة وبقصد التجمّل لاخبار كثيرة فيها، واشتداد ضعف كثير منها يجبره كثرة طرقها وزعم وضع اكثرها تساهل.** عمامہ سنت ہے، خاص طور پر نماز کے لئے اور زیب وزینت کے قصد سے بھی سنت ہے، ان احایث کثیرہ کے پیش نظر جو عمامہ کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں اور جہاں تک بہت سی روایات کے ضعف کا مسئلہ ہے تو کثرۃِ طرق سے

اس کی (بخوبی) تلافی ہو جاتی ہے اور ان میں کی اکثر احادیث کے موضوع ہونے کا گمان غفلت پر مبنی ہے۔ (جمع الوسائل فی شرح الشمائل/ص:۱۶۵)

مزید براں جبکہ رسول پاک ﷺ نے اپنے اصحاب کو بڑے اہتمام کے ساتھ مختلف غزوات، معرکے اور مہمّات پر روانہ کرتے ہوئے عمامہ باندھا ہو تو اس سے اور زیادہ اس کی فضیلت قوی ہو جاتی ہے، اور یہ بات بھی معقول ہے کہ رسول پاک ﷺ کا خود اس پر عمل فرمانا محض عادت کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس میں تشبہ بالملائک حاصل کرنا اور اس پر امت کو لانا تھا، یہ محض ایک رواجی چیز نہ تھی جیسا کہ بعض ملکوں اور خطوں میں، علاقوں اور خاندانوں میں کوئی خاص قسم کا لباس رائج ہوتا ہے اور سب اس کو رواجاً اور عادتاً استعمال کرتے ہیں، عمامہ کا استعمال محض اس طرح کا عمل نہیں تھا جو صرف ایک عادت کے طور پر یا قومی رواج کے طور پر ہو بلکہ ملائکہ کرام اور انبیاءؑ اور صالحین، عابدین کی وضع قطع اور اس ظاہری وضع قطع سے ان کے پہننے والوں میں باطنی صفات کہ (اَلظَّاهِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ مسلّم ہے) کے ضابطہ سے اس پر عمل تھا، بڑا تعجب ہے ان لوگوں پر جنھوں نے اس کو فقط ایک عادت اور رواج کے طور پر ایک عمل سمجھا، کیا ایک عادت اور رواج کیلئے رسول پاک ﷺ نے اس قدر اہتمام فرمایا، اور اپنے اصحاب کو عمامہ باندھا؟ اب ہم ذیل میں اس کو ذکر کرتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے کن کن موقعوں پر اپنے اصحاب گرامی کو عمامہ باندھا اور ان لوگوں کی خدمت میں جنھوں نے اس کو فقط ایک عادت قرار دیا ہے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں:

سوال: صافہ باندھنا سنت ہے یا عادت نبوی ہے؟

المستفتی مولوی عبدالحلیم ضلع پشاور ۱۳۵۵ھ

جواب: عمامہ سنت ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

یہاں حضرت اقدس مفتی صاحبؒ نے عادت نبوی اور سنت نبوی کے درمیان فرق واضح کیا ہے اور اپنی مختصر عبارت میں اس کو صاف کردیا ہے کہ عمامہ پر عمل محض عادت کے طور پر نہیں تھا بلکہ ایک امر شرعی کی حیثیت سے تھا، اللہ پاک ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

یہاں اس مغالطہ کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ ایک تو وہ ذخیرۂ روایات ہے جس کا تعلق فضائل سے ہے جس کے متعلق اوپر گفتگو چل رہی تھی، ایک طبقہ نے ان تمام روایات پر ہی مطلقاً نہایت کمزور اور موضوع ہونے کا حکم لگادیا ہے، جبکہ ایسا کرنا غیر مناسب طریقہ ہے جس پر شیخ عبدالرؤف مناویؒ نے روشنی ڈالی ہے اور ایسا صرف یہیں نہیں ہے بلکہ اور بھی مختلف مقامات پر ہے کہ اعمال کا ثبوت صحیح اور معتبر روایات سے ہوتا ہے اور فضیلت کے باب میں کچھ روایات یا اکثر روایات ضعیف ہوتی ہیں تو ان اعمال کو یہ کہہ کر چھوڑا نہیں جاتا کہ اس سے متعلق تمام روایات بالکل بیکار ہیں، واہی تباہی ہیں، ضعاف اور موضوعات ہیں، بلکہ ان چیزوں کے مجموعہ پر نظر کرکے کوئی حکم لگایا جاتا ہے، ہاں اگر بالفرض اس جگہ پر اعمال کا ہی ثبوت صحیح اور معتبر روایات سے نہ ہو اور فضائل میں وارد ہونے والی روایات ضعیف یعنی انتہائی درجہ کی ضعیف اور موضوع ہوں تو اس چیز کی فضیلت کا تو کہاں! اس عمل کا ثبوت ہی نہیں ہوسکتا، یہاں سے یہ فرق واضح ہوجاتا ہے جس کو محدثین نے کہا ہے کہ فضائل

اعمال میں ضعیف روایات بھی معتبر ہیں۔

چنانچہ حضرت امام نوویؒ شارحِ مسلم فرماتے ہیں: **قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العمل فى الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوعاً۔** (الاذکار ص۷،۸)

محدثین اور فقہاء اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے فرمایا ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا فضائل اور ترغیب وترہیب میں جائز اور مستحب ہے، جب کہ وہ حدیث من گھڑت نہ ہو، اس اصول کو مندرجہ ذیل حضرات نے بھی لکھا ہے:

(۱) ملا علی قاری حنفیؒ (موضوعات کبیر ص۵/اور شرح النقایہ، ج۱ ص۹)۔

(۲) امام حاکم ابوعبداللہ نیشاپوریؒ۔ (حاکم، ج۱ ص۴۹۰)

(۳) علامہ سخاویؒ۔ (القول البدیع ص۱۹۶)

(۴) حافظ ابن تیمیہ حنبلیؒ۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ، ج۱ ص۹۳)

اس کا مطلب یہی ہے کہ نفس اعمال کا ثبوت صحیح اور معتبر روایات سے ہوتا ہو اور فضیلت میں وارد ہونے والی روایات ضعیف ہوں تو اس عمل کا اعتبار ہوگا اور وہ عمل فضیلت کے حصول کیلئے لائق عمل ہوگا، اور جہاں نفس اعمال کا صحیح اور معتبر روایات سے ثبوت ہی نہ ہو رہا ہو اور وہاں صرف فضائل پر مشتمل انتہائی ضعیف اور موضوع روایات ہوں تو وہاں عمل کا ہی ثبوت نہ ہوگا، چہ جائے کہ اس کی فضیلت یا اس کا استحباب ثابت کیا جائے۔

جبکہ حضرات فقہائے کرام کے کلام میں مصلّی کیلئے اور خاص طور پر امام کیلئے اور خصوصاً جہاں اس کے مقتدی اس کا اہتمام کررہے ہوں تو وہاں امام کیلئے اور بھی زیادہ وہ چیز لائق عمل بن جاتی ہے، بحث اس سے نہیں ہے کہ اس کو واجب کہا جائے،

یا یہ کہ وہ اس طرح واجب ہو جائے گا کہ اس کے بغیر نماز درست نہ ہو، بالفرض اگر امام اور مقتدی سب کے سب سر برہنہ نماز پڑھیں نماز تب بھی جائز ہو جائے گی، اور اگر سب کے سب صرف ٹوپی اوڑھ کر پڑھیں، نماز تب بھی ہو جائے گی، اور اگر بعض عمامہ کے ساتھ اور بعض صرف ٹوپی کے ساتھ اور بعض برہنہ سر نماز پڑھیں تو نماز تو تب بھی سب کی درست ہو جائے گی اور کسی کو کسی پر نکیر کرنے کا اس درجہ حق نہ ہوگا کہ اس کی تحقیر ہو، کیونکہ تحقیر مسلم نہایت امر قبیح ہے اور نہ کسی ایسے شخص کو جس کی نظر میں سوائے فرض، واجب اور سنت مؤکدہ کے دیگر سنن غیر مؤکدہ، مستحبات، مندوبات اور آداب کی کوئی خاص اہمیت ہی نہ ہو جیسا کہ اس زمانہ میں ہم پڑھے لکھوں کا عام مزاج بن رہا ہے، ان لوگوں پر جو عاشقانہ طور پر رسول پاک ﷺ کی سنتوں کی اتباع میں لگ رہے ہوں اعتراض اور نکیر کرنے کا کوئی حق اور جواز ہو سکتا ہے؟ وہ بھی اس طور پر کہ اس کے اعتراض اور نکیر کی وجہ سے کسی بھی درجہ میں لوگوں کے دلوں سے سنتوں کی اور ان چیزوں کی جن پر رسول اقدس ﷺ کا عمل مبارک رہا ہو اہمیت کم ہو رہی ہو **العیاذ باللہ** یہ تو بہت ہی گناہ کی چیز ہوگی، کہ نہ تو ہم خود سنتوں پر عمل کرنے کا ذوق رکھتے ہیں اور نہ دوسرے کو کرنے دینا پسند کرتے ہیں، بلکہ لوگوں کے دلوں میں سنت کی اہمیت کم کرنے پر آمادہ ہیں۔

ایسی بہت ساری سنتیں ہیں جو غیر مؤکدہ ہیں ان کا تعلق نماز سے بھی ہے اور دیگر بہت سی عبادات اور معاملات سے بھی ہے، کیا ان کا اہتمام کرنا، اور ان سے محبت کرنا، اور ان کی ترغیب دینا، یہ اس اصرار کے حکم میں آئے گا جس کے متعلق فقہا نے لکھا ہے کہ مستحبات پر اصرار مستحب کو بدعت بنا دیتا ہے، جیسا کہ بعض لوگوں نے پہلے تو اس کے سنت

مستمرہ ہونے کا انکار کیا، پھر سنت مستمرہ ہونے کی ایک عجیب وغریب منطقی تشریح کی، پھر اس کو ایک امر مستحب کہا، بعدازاں فقہائے کرام کا وہ ضابطہ غیر محل میں استعمال کیا کہ مستحبات پر اصرار اس کو مکروہات اور بدعات میں تبدیل کر دیتا ہے، لہٰذا عمامہ کا اہتمام بدعت ہے، اس طرح سے تو دین کے ایک بہت بڑے حصہ کا اہتمام بدعت قرار پائے گا، مثلاً مسواک کے تعلق سے روایات کا ایک ذخیرہ موجود ہے، جس میں رسول پاک ﷺ کا اہتمام، مواظبت اور غایت درجہ تاکید وترغیب کا ثبوت ملتا ہے، اس کے باوجود بعض فقہا مسواک کو سنت سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض مستحب سے تعبیر کرتے ہیں، اب اگر کوئی شخص اس تعبیر کو دیکھ کر، اس پر فقہی جزئیہ رکھ کر، کسی متبع سنت مسواک کرنے والے کو یہ کہہ کر روک دے کہ صاحب یہ مستحب ہے، اور تم جو اتنا اصرار کرتے ہو وضوء میں مسواک کرنے کا یہ تو ایک مستحب پر اصرار ہے لہذا یہ بدعت ہے، اب بتائیے کہ اس فقہی جزئیہ سے اس کا یہ استدلال آپ کو کیسا معلوم ہوگا؟ اور ٹھیک اسی طرح اگر کوئی شخص عصر سے قبل کی سنن غیر مؤکدہ پر اتباع سنت کے جذبہ سے اہتمام کر رہا ہو اور ظاہر ہے کہ سنت پر عمل کا جذبہ رکھنے والا ایک عاشق مزاج ہی اس کا اہتمام کر سکتا ہے دوسرا نہیں **الا أنْ یشآء اللّٰہ رب العالمین**۔ اب کوئی اس کو کہے کہ یہ سنن غیر مؤکدہ ہے، لہٰذا تمہارا یہ اہتمام اور اصرار اس کو بدعت بنا دیگا، تو آپ کو یہ استدلال اور یہ طرز عمل کیسا لگے گا؟۔

علی ہذا القیاس وہ تمام سنن غیر موکدہ جو ذخیرہ احادیث میں موجود ہیں ان کے تعلق سے آپ کیا کہیں گے؟ جب کہ ذوق صحابہؓ تو یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں اے ''کدوا'' جب سے میں نے یہ دیکھا کہ رسول پاک ﷺ تجھ سے رغبت رکھتے ہیں، تو میں بھی تجھ سے رغبت اور محبت رکھتا ہوں، جبکہ اس کا تعلق صرف ایک طبیعت سے

ہے، اور دوسرے ایک صحابی رسول اللہ ﷺ قربانی کیلئے مینڈھا خرید رہے تھے، کسی نے کہا کہ یہ خریدو، یہ اس مینڈھے کے مشابہ ہے جس کو رسول پاک ﷺ نے قربان فرمایا تھا، تو ان صحابی نے اس کو بہت پسند کیا اور اسی کو خریدا۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرات صحابہ کرامؓ رسولِ پاک ﷺ کی عبادات، معاملات، اخلاق وعادات سب میں غایت درجہ اتباع کرتے تھے جو ایک عاشقانہ طرز تھا اور اب ہمارا جو حال ہے وہ سب کے سامنے ہے، اس دور میں کوئی اللہ والا اگر فرائض، واجبات، سنن، مستحبات اور آداب کی اہمیت بتا رہا ہو تو اس پر اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم بہت بڑے عالم ہیں، اس لئے کہ فلاں مدرسہ کے فارغ ہیں، سند یافتہ ہیں، اور وہ شخص نہ کسی دارالعلوم کا سند یافتہ ہے اور نہ ایسا ویسا ہے، یہ ایسی چپقلش اور ردوقدح علماء ظاہر کی علماء باطن کے ساتھ ہر دور میں رہی ہے، لیکن اولیاء اللہ کا ذوق کچھ اور ہوتا ہے اور علماء ظاہر کا کچھ اور ہوتا ہے، اور ارباب ذکر وفکر کا ذوق کچھ اور، اور ارباب ظاہر کا کچھ اور، **شتان بین مشرق وبین مغرب۔**

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عمامہ کے باب میں بھی وارد ہونے والی ایک تو وہ روایات ہیں جن میں فرشتوں کا عماموں کے ساتھ نزول مذکور ہوا ہے وہ تمام روایات بالکل مسلّم ہیں، چونکہ وہ قرآن پاک سے مؤیّد ہیں اور دوسرا وہ ذخیرہ ہے جن میں رسول پاک ﷺ کا عمل مبارک اور قولاً تاکید فرمانا مذکور ہے، اس بارے میں بھی بہت بڑا ذخیرہ ہے جن کو ضعیف بھی نہیں کہا جا سکتا، جس کی تخریج امام بیہقیؒ وغیرہم نے کی ہے، اور تیسرے فضائل کا ذخیرہ ہے جس میں ہر طرح کی روایات موجود ہیں، اب عمامہ کی سنت کا مدار صرف

فضائل کی روایات ہی نہیں بلکہ مجموعۂ روایات ہے ان سب سے اس کا تاکّد اور اہتمام مفہوم اور معلوم ہوتا ہے، ان درج ذیل وجوہات سے:

(۱) اس میں اتباع ملائکہ ہے (۲) اتباع رسول اللہ ﷺ ہے (۳) یہ اسلام اور مسلمانوں کا شعار رہا ہے اور ہر زمانہ کے علماء صلحاء کی وضع قطع رہی ہے (۴) نیز اس کے ذریعہ سے مسلمانوں اور کفار میں ایک امتیاز پیدا ہوتا ہے، اسی لئے علامہ باجوریؒ نے فرمایا کہ عمامہ سنت ہے نہ صرف نماز کیلئے بلکہ عمامہ عام سنت ہے، کیونکہ اس کے بارے میں بہت سی روایات ہیں اور رہا ابن الجوزیؒ کا موضوع کہنا تو ان کی شدت اس بارے میں سب کو معلوم ہے۔

اور تحفۃ المنہاج میں لکھا ہے کہ عمامہ نماز کیلئے سنت ہے اس بارے میں بہت سی روایات ہیں جن میں بعض کا ضعف کثرتِ طرق سے منجبر ہو جاتا ہے اور یہ دعویٰ کرنا کہ ان میں سے اکثر موضوع ہیں یہ تساہل پر مبنی ہے جیسا کہ وہ علامہ ابن الجوزیؒ کی ایک عادت ہے، چنانچہ حدیث **اعتموا تزدادو حلما** کو بھی علامہ ابن الجوزیؒ نے موضوع قرار دیا ہے جبکہ حاکمؒ نے اس کی صحت کا قول اختیار کیا ہے اور ابن العربیؒ نے فرمایا کہ عمامہ سنت المسلمین ہے، اور ان کی ہیئت ہے، اور حاجز بین المسلمین والمشرکین ہے اور مؤمنین کے لئے وقار کا تاج ہے، اور اہل عرب کے لئے باعث عزت ہے، ان تمام اوصاف اور خصوصیات کی وجہ سے اس کا ایک مطلوب دینی ہونا ثابت ہوتا ہے، نیز حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ مناسب نہیں ہے کہ عمامہ کی سنت کو چھوڑ دیا جائے اور میں نے عمامہ باندھنا اس وقت شروع کیا تھا جبکہ میرے چہرہ پر ڈاڑھی کے بال بھی نہیں آئے تھے اور ہم میں سے کوئی مسجد نبوی شریف

میں بغیر عمامہ کے داخل نہ ہوتا تھا، حضرت رسول پاک ﷺ کی تعظیم کے خیال سے، نیز فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ ربیعۃ الرائےؒ کے حلقہ میں تیس سے زائد حضرات کو عمامہ باندھے دیکھا، اور خود میرے شیخ اور استاذ حضرت ربیعۃ الرئے بھی اس کا اہتمام کرتے تھے، اور یہ فرماتے تھے کہ عمامہ باندھنے سے عقل میں بھی اضافہ ہوتا ہے، اب اگر کوئی طبقہ اپنے حالات اور ماحول کی وجہ سے سنت سے احتراز کرنے لگے اور اس کا استہزا کرنے لگے جیسا کہ بعض جگہوں پر ایسا دیکھا گیا ہے کہ عورتیں بھی عمامہ والوں کو پسند نہیں کرتی ہیں اور اپنے شوہروں کو ایسی حالت میں دیکھنا نہیں چاہتی ہیں اور استہزاء اور مزاق کرتی ہیں تو کیا ان کے استہزا اور مزاق کی وجہ سے سنت کے عشاق ایسی سنتوں کو چھوڑ دیں گے؟ بلکہ صاحب "**ملتقی الابحر**" نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کہے کہ یہ کام کرو اس لئے کہ یہ سنت ہے اور وہ کہے کہ "میں نہیں کرونگا اگرچہ سنت ہو" تو اس شخص پر کفر کا اندیشہ ہے، اگر وہ شخص یہ انکار علی سبیل الاستخفاف والاستہزا کرے، اور اگر اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے عمل نہ کرتا ہو اور سنت کا استخفاف اور استہزا اس کے ذہن میں نہ ہو تو اس سے اس کو کفر کی طرف منسوب نہ کریں گے چونکہ یہ بہت حساس اور سنگین معاملہ ہے جس میں شدید احتیاط برتی جاتی ہے اور اس قسم کے جزئیات بھی کتبِ فقہ شامی وغیرہ میں موجود ہیں، نیز جبکہ اس دور میں کہ سنن تو کجا لوگ فرائض کو بھی چھوڑنے لگے ہیں ان سنتوں کو زندہ کرنے والا کس قدر ثواب کا مستحق ہوگا جیسا کہ اوپر گذرا **من**

احییٰ سنة من سنتی قدمیتت بعدی کان له من الأجر مثل من عمل بهاان ینقص من أجورهم شیئا۔ (رواہ الترمذی)

اور کہیں فرمایا گیا **من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر**

شھید لہذا اگر وہ شخص جو تمام ہی فرائض، واجبات، سنن موکدہ اور غیر موکدہ سبھی سے غایت درجہ عشق رکھتا ہو یہ دیکھ کر کہ دوسرا کوئی انسان ان چیزوں پر عمل پیرا ہونے میں اس کی مخالفت کر رہا ہے، اس کو منافق کہہ دے تو اس سے نہ تو وہ شخص حقیقت میں منافق ہو جائے گا جو کسی دلیل شرعی کی بنیاد پر کوئی بات کہہ رہا ہو، قطع نظر اس سے کہ اس کا یہ قول درست ہو یا غلط ہو، اور نہ وہ شخص گنہگار ہوگا جس نے منافق کہا، بلکہ دونوں کو سمجھائیں گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے (۱) حضرت حاطب ابن ابی بلتعہؓ کے قصہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کو سمجھایا تھا (۲) حضرت معاذ ابن جبلؓ کی امامت کے قصہ میں ان کو ڈانٹا کہ ایک مخلص صحابی کو انہوں نے نماز چھوڑ کر چلے جانے کی وجہ سے منافق کہا تھا (۳) اسی طرح ایک اور موقعہ پر بعض صحابہ نے ایک مخلص صحابی (مالک بن دُخیشؓ) کو منافق کہا، رسول پاک ﷺ نے اس پر نکیر فرمائی۔ اس سے نہ تو وہ شخص منافق ہو گیا جو کسی صحیح بات کی بنیاد پر اصلاح کیلئے کوئی بات کہہ رہا ہو اور واقعی اس کی نیت اصلاح ہی ہو اور قطعاً کوئی دوسری نیت نہ ہو اور نہ وہ شخص لائق عتاب ہوگا جس نے اس کو یہ خیال کر کے کہ یہ سنتوں کی توہین یا مخالفت کر رہا ہے ایسا کوئی جملہ کہدیا ہو، اس سب سے ہمیں بہت کچھ درمیانی راہ مل سکتی ہے اور ہر ایک کو ایک حد میں رہنے کا پیغام بھی ملتا ہے۔

مزید یہ بھی ملحوظ رہے کہ نفاق سے مراد نفاق حقیقی نہ ہو بلکہ نفاق عملی اور ظاہری ہو تو معاملہ اور بھی اہون ہو جاتا ہے، اور مشائخ کی کوششیں اسی لئے ہوتی ہیں کہ ہمارے اندر سے نفاق عملی دور ہو اس پر حضرت شاہ وصی اللہؒ کا مفصل مضمون موجود ہے۔

(۱) (بخاری شریف، ج۲ ص۹۰۱) (۲) (بخاری شریف، ج۲/۲۹۰) (۳) (بخاری شریف، ج۲ ص۸۱۳)

باب نمبر:(۵)

حضراتِ صحابہ کرامؓ اورسنتِ عمامہ

آپ ﷺ کا اپنے دستِ مبارک سے صحابہ کرام کو عمامہ باندھنا

روی ابو داؤد الطیالسی وابن ابی شیبة وابن منیع والبیھقی فی الشعب عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال:عمّمنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم غد یرخم بعمامة سدلھاخلفی۔

(أخرجہ ابن عدی فی الکامل ۱۴۹۰/۴)

حضرت علیؓ سے منقول ہے،فرمایا: غدیرخم کے روز مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمامہ باندھااوراسے میرے پیچھے لٹکایا۔

روی ابو یعلیٰ والبزّار برجال ثقات وابن أبی الدنیا والطبرانی والبیھقی فی الزھد ، وحسن اسنادہ ابو الحسن الھیثمی عن ابن عمر رضی اللہ عنھما أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أمر عبدالرحمان بن عوف أن یجھّز لسریة یبعثہ علیھا فأ صبح عبدالرحمان وقد اعتم بعمامة کرادیسَ سوداء فنقضھا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم وعممہ وأرخی لہ اربع اصابع أو قریباً من شبرٍ ثم قال :''ھکذا فاعتم یا ابن عوف، فانہ أعرب وأحسن'' (أخرجہ ابن عساکر فی تھذیب تاریخ دمشق ۱/۹۱/ وذکرہ الھیثمی فی المجمع۱۲۳/۵/وقال: رواہ الطبرانی فی الاوسط واسنادہ حسن)۔

ابویعلیٰ اور بزار نے ثقہ راویوں سے ابن ابی الدنیااورطبرانی نےاورامام بیہقیؒ نے

کتاب الزہد میں (جس کی سند کوابوالحسن ہیثمی نے حسن قرار دیا ہے) عبداللہ ابن عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کوحکم دیا کہ وہ ایک سریہّ کو تیار کریں جس پرآپ انہیں امیر بنا کر بھیج رہے تھے،تو عبدالرحمانؓ سیاہ کپڑے کا عمامہ باندھ کر صبح میں حاضر ہوئے ،آپ ﷺ نے اسے کھولا اور (اپنے دستِ مبارک سے)اسے باندھا،اور چار انگشت یاایک ہاتھ کے بقدراس کا شملہ چھوڑا، پھرارشادفرمایا: اے ابن عوف!اس طرح عمامہ باندھا کرو،اس لئے کہ یہ زیادہ خوبصورت اور بہتر ہے۔

وروی الطبرانی من طریق مقدام بن داود عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: عمم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عوف، وأرخی لہ أربع اصابع، قال: انی لما صعدت الی السماء رأیت اکثر الملائکة علیھم السلام معتمین۔ (ذکرہ الھیثمی فی المجمع ۱۲۳/۵)

طبرانی نے مقدام بن داود کے طریق سے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کو عمامہ باندھا اور چار انگلیوں کی مقدار شملہ چھوڑا اور ارشاد فرمایا'' جب میں آسمان پر پہنچا تو اکثر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ عمامے باندھے ہوئے تھے۔

قال ابن وھب أخبرنی عثمان بن عطاء الخراسانی عن ابیہ ان رجلاً جاءَ الیٰ ابن عمر رضی اللّٰہ تعالی عنھما وھو فی مسجد منی فسألہ عن إرخاء طرف العمامة فقال لہ عبداللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعث سریة وأمر علیھا عبدالرحمن ابن عوف رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وعقد لواءً فذکر الحدیث الیٰ ان قال:وعلیٰ عبدالرحمن ابن

عوف رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عمامة من کرابیس مصبوغة بالسواد، فدعاہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ وسلم فحلّ عمامته ثم عمّمهٗ بيده وافضل عمامة موضع أربع اصابع أو نحوذٰلک فقال هکذا فاعتم فانه أحسن وأجمل۔

(شعب الایمان رص۱۷۴/۵)

حضرت عطاء خراسانیؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں آیا درانحالیکہ وہ میری مسجد میں تھے، اس نے ابن عمرؓ سے عمامہ کا شملہ لٹکانے کے متعلق دریافت کیا، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور عبدالرحمان ابن عوفؓ کو اس پر امیر مقرر کیا اور (لشکر کا) ایک جھنڈا مقرر کیا (عطاء خراسانیؒ نے پوری حدیث ذکر کی) اور یہاں تک کے فرمایا کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے (سر پر) سیاہ رنگ میں رنگی ہوئی کپڑے کی پٹیوں کا ایک عمامہ تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلایا اور ان کا عمامہ کھول کر اپنے دست مبارک سے باندھا (افضل عمامہ وہ ہے جو چار انگشت کی مقدار یا اس کے برابر ہو) نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عمامہ اس طرح باندھا کرو اس لئے کہ یہ زیادہ بہتر اور خوبصورت ہے۔

عن عبداللّٰہ بن بسر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال بعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه الیٰ خیبر فعمّمه بعمامة سوداء ثم أرسلها من ورائهٖ أو قال علیٰ کتفهٖ الیسریٰ رواہ الطبرانی۔ (مجمع الزوائد رص۲۶۷/۵)

حضرت عبداللہ بن بسرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو خیبر روانہ فرمایا تو ان کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا اور اس کا شملہ پیچھے کی طرف (یا راوی کو شک ہے) ان کے بائیں کاندھے پر چھوڑا۔ طبرانی نے اس کو روایت کیا ہے۔

باب نمبر:(۶)

احادیث شریفہ میں فرشتوں کے عمامہ کا تذکرہ

عمامہ باندھنا اور شملہ لٹکانا فرشتوں کی علامت ہے

متعدد احادیث میں فرشتوں کے عمامہ کا تذکرہ موجود ہے، ہم یہاں ''سبل الہدیٰ والرشاد'' سے چند روایات ذکر کرتے ہیں: **روی الطبرانی بسند فیه شهر بن حوشب حسن له الترمذی وغیره وبقیة رجاله ثقات عن عائشةؓ قالت: رأیت جبرئیلؑ علیه عمامة حمراء مرخیها بین کتفیه۔**

(ذکره الهیثمی فی المجمع ۱۳۳/۵)

امام طبرانیؒ نے ایسی سند سے جس میں شہر بن حوشبؒ ہیں (ترمذیؒ وغیرہ نے ان کی تحسین کی ہے اور اس سند کے باقی رُواۃ ثقہ ہیں) حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے، فرماتی ہیں: میں نے جبرئیلؑ کو دیکھا ان (کے سر) پر سرخ عمامہ تھا جس کا شملہ انہوں نے اپنے شانوں کے درمیان (یعنی پیچھے) لٹکا رکھا تھا۔

روی ابن جریر بسند حسن عن ابی اسید الساعدی وهو بدری قال: خرجت الملائکة یوم بدر فی عمائم صفر، قد طرحوها بین اکتافهم۔

ابن جریرؒ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابو اسید الساعدیؓ سے جو کہ بدری صحابی ہیں روایت ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن فرشتے زرد رنگ کے عماموں میں آئے، جن کے شملے انہوں نے اپنے شانوں کے درمیان ڈال رکھے تھے۔

روی الحاکم فی اللباس فی مستدرکه عن عائشة رضی اللّٰہ

تعالیٰ عنها قالت: أتیٰ رجل رسول الله صلی الله علیه وسلم علیٰ برذون وعلیه عمامة حمراء قدأرخی طرفها بین کتفیه، فسألت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: هل رأیتیه ؟ قلت: نعم ، قال "ذاک جبریل علیه السلام فأمرنی أن أمضی الیٰ بنی قریظة" ۔

امام حاکمؒ نے مستدرک "کتاب اللباس" میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں: کہ ایک شخص ترکی گھوڑے پر سوار ہوکر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس (کے سر) پر سرخ عمامہ تھا، جس کا شملہ اس نے اپنے شانوں کے درمیان ڈال رکھا تھا، میں نے آپ ﷺ سے (اس کے بارے میں) دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا "کیا تم نے اسے دیکھا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، ارشاد فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے جنہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بنوقریظہ کی جانب کوچ کروں۔

وروی ایضاً عنها قالت: رأیت رجلا یوم الخندق علی صورة دحیة بن خلیفة الکلبی علیٰ دابّة ،یناجی رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلیه عمامة قد أسد لها خلفه، فسألت رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال "ذاک جبریل أمرنی ان اخرج الیٰ بنی قریظة " انتهی۔

(ذکره الهیثمی فی المجمع ۶/۱۴۴)(والبیہقی فی شعب الایمان رص ۱۷۵، ج ۵)

حاکمؒ نے حضرت عائشہؓ ہی سے نقل کیا ہے فرماتی ہیں: میں نے غزوۂ خندق کے دن دِحیۂ کلبیؓ کے ہم شکل ایک شخص کو سواری پر دیکھا جو رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کر رہا تھا اور اس (کے سر) پر ایک عمامہ تھا جس کا شملہ اس نے پیچھے کی طرف لٹکا رکھا تھا، میں نے آپ ﷺ سے (اس کے متعلق) دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: وہ جبرئیل تھے انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بنوقریظہ کی طرف کوچ کروں۔

باب نمبر: (۷)

حضور ﷺ کے عمامہ کی مقدار اور شملہ کا ذکر

امام محمد بن یوسف صالحیؒ فرماتے ہیں کہ حضرات علماءؒ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا عمامہ نہ تو اتنا بڑا تھا کہ جو اوڑھنے والے کیلئے اذیت کا سبب بنے اور اس پر گراں گذرے، اور نہ ہی اتنا چھوٹا تھا جو کہ سردی گرمی سے سر کی حفاظت نہ کر پائے، آپ ﷺ کا عمامۂ شریفہ درمیانی تھا۔

حافظ عبدالغنیؒ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: مجھے آپ ﷺ کے عمامہ کی لمبائی کے بارے میں کوئی متعین مقدار معلوم نہ ہوسکی، ان سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے فتاویٰ میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا، حافظ ابوالخیر علامہ سخاویؒ نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کا عمامہ سفر میں سفید اور حضر میں سیاہ ہوتا تھا، اور ان میں سے ہر ایک کی مقدار سات گز ہوتی تھی۔ ابن حاجؒ مالکیؒ "المدخل" میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی چادر، عمامہ اور شملہ حدیث میں وارد ہے، چادر ساڑھے چار گز اور عمامہ سات ذراع کا تھا۔ (سُبل الہدیٰ والرّشاد ۷/۲۷۶)

ملحوظہ: ابن قیمؒ "زادالمعاد" میں فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ پہن لیتے تھے اور آپ جب عمامہ باندھتے تو عمامہ کا کنارہ اپنے شانوں کے درمیان (پیچھے) لٹکاتے تھے۔ عمرو بن حُریثؓ کی حدیث میں ایسا ہی ہے اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت میں یہ ہے کہ " آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور

آپ (کے سر) پر سیاہ عمامہ تھا‘‘۔

حضرت جابرؓ نے اپنی روایت میں شملہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شانوں کے مابین شملہ کا چھوڑنا آپ ﷺ کا دائمی معمول نہ تھا، ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے بدن مبارک پر آلاتِ جنگ تھے اور سر پر خَود تھی، تو آپ ﷺ نے ہر مقام کی مناسبت سے لباس زیب تن فرمائے۔ امام محمد بن یوسف صالحیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں علامہ ابن قیمؒ کو امام نسائیؒ کی وہ روایت مستحضر نہ رہ سکی جس میں یہ اضافہ بھی ہے ” قد أرخی طرف العذبة بین کتفیه “ یعنی آپ ﷺ نے شملہ کا کنارہ اپنے شانوں کے درمیان ڈال رکھا تھا۔

نیز اس حدیث میں اور بخاری کی اس حدیث میں جو حضرت انسؓ سے مروی ہے کوئی تعارض نہیں، حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے ”کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خَود تھی“ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت آپ کے سر پر خَود ہو، بعد ازاں آپ ﷺ نے اسے اتار کر عمامہ باندھا ہو، تو جو کیفیت جس راوی نے دیکھی اس کو بیان کر دیا، اور عمامہ کی تائید حضرت عمرو بن حُریثؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ ﷺ کے مکہ میں داخل ہونے کے بعد باب کعبہ کے نزدیک خطبہ دینے اور سر پر عمامہ ہونے کا تذکرہ ہے، بعض محدثینؒ نے دونوں روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ سیاہ عمامہ خود کے اوپر لپٹا ہوا تھا یا خود کے نیچے تھا تا کہ سرِ مبارک لوہے کی تکلیف سے محفوظ رہے۔

☆☆☆

باب نمبر: (۸)

عمامہ میں شملے کی بحث

امام محمد بن یوسف صالحیؒ کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام کمال الدین بن ابی شریفؒ نے اپنی کتاب ”صوبۃ الغمامۃ فی اِرسالہ طرف العمامۃ“ میں لکھا ہے کہ عمامہ کا شملہ چھوڑنا مستحب ہے، اس پر عمل ترک کے بالمقابل راجح ہے، جیسا کہ گذشتہ احادیث وروایات سے یہی مستفاد ہوتا ہے، برخلاف امام نوویؒ کے کلام کے جو کہ اس بات کا مُوہم ہے کہ یہ صرف مباح ہے اور دونوں طرف مستوی رہنی چاہئے۔

امام نوویؒ نے ”شرح مہذب“ میں لکھا ہے کہ عمامہ کا شملہ لٹکانا اور نہ لٹکانا دونوں جائز ہیں، کسی میں کراہت نہیں، نیز فرماتے ہیں کہ شملہ کے ترک کی ممانعت میں کوئی روایت ثابت نہیں، اور شملہ چھوڑنے کے سلسلہ میں حضرت عمرو بن حریثؓ کی صحیح روایت موجود ہے، ابن ابی شریفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی ایسا شخص نہ دیکھا جس نے نوویؒ کے کلام کا تعاقب کیا ہو، اور یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمان بن عوفؓ کو عمامہ کے شملہ کو چھوڑنے کا امر فرمایا تھا، اور آپ نے اس کی علت بھی بتائی تھی کہ عمامہ کا شملہ لٹکانا زیادہ بہتر ہے، لہذا شملہ لٹکانا مستحب اور اولیٰ ہے، اور نہ چھوڑنا خلاف اولیٰ اور خلافِ استحباب ہے۔

شملہ چھوڑنے کی وجہ

صاحبِ قاموسؒ شرحِ بخاری میں فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ (کے عمامہ

میں) ایک طویل شملہ ہوتا جو کہ آپ ﷺ کے شانوں کے درمیان یا دونوں شانوں پر لٹکا ہوتا اور آپ نے کبھی شملہ کو (عمامہ سے) علیحدہ نہ کیا، نیز فرمایا" **خالفوا اليهود ولا تصمّموا فان تصميم العمائم من زىّ اهل الكتاب**" یہود کی مخالفت کرو اور عمامہ بلا شملہ کے مت باندھو، اس لئے کہ بغیر شملہ کے عمامہ باندھنا اہل کتاب کی خصلت ہے، نیز فرمایا" **أعوذ بالله من عمامةٍ صمّاءٍ**"۔

شیخ فرماتے ہیں اپنے ان فتاویٰ میں جو کہ شیخ عبد الجبارؒ کے خط سے مرقوم ہیں کہ صاحبِ قاموس کا قول "طويلة" میں نے نہیں دیکھا، لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ شانوں کے درمیان شملہ چھوڑنے والی احادیث سے ماخوذ ہو، اور صاحب قاموس کا یہ کہنا کہ شملہ کبھی حضور ﷺ کے شانوں کے درمیان ہوتا اور کبھی شانوں پر تو میں آپ ﷺ کے خود عمامہ پہننے کے تذکرہ میں اس پر واقف نہیں ہوا، ہاں آپ ﷺ کے صحابہ کو اس طرز پر عمامہ پہنانے میں اس کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ عبد الرحمان بن عوفؓ اور حضرت علیؓ کو عمامہ اوڑھانے کے ذیل میں اس کا ثبوت ہے۔ اور جہاں تک حدیث "**خالفوا اليهود الخ**" اور "**أعوذ بالله من عمامة صمّاء**" کا تعلق ہے تو ان کی کوئی اصل نہیں ہے، شیخ نے مذکورہ فتاویٰ میں یہ بات کہی کہ یہ معلوم ہے کہ شملہ سنت ہے اور اس کا ترک سنت سے اعراض کے ارادہ سے معصیت ہے، ہاں اگر سنت سے اعراض مقصود نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

شملہ کدھر چھوڑا جائے

اس بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) شملہ سامنے اور پیچھے کی طرف چھوڑیں، متعدد روایات سے اس قول کی تائید ہوتی ہے، **روى ابو موسىٰ المدنى بسند ضعيف عن الحسن بن صالح قال: اخبرنى من راى عمامة على ابن ابى طالب رضى الله تعالىٰ عنه قد أرخاها من بين يديه و من خلفه۔**

ابوموسیٰ مدنیؒ نے سندِ ضعیف کے ساتھ حسن بن صالحؒ کا یہ قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کے عمامہ کو دیکھا تھا کہ حضرت علیؓ نے عمامہ کا شملہ سامنے اور پیچھے کی جانب لٹکایا تھا۔

روى الطبرانى بسند ضعيف عن ثوبان رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا اعتمّ أرخىٰ عمامته بين يديه و من خلفه۔

طبرانی نے سند ضعیف سے حضرت ثوبانؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب عمامہ باندھا تو عمامہ (کا شملہ) اپنے سامنے اور پیچھے کی جانب لٹکایا۔

روى ابو داؤد بسند ضعيف عن ابن خير بُوذ قال: حدثنا شيخ من أهل المدينة قال: سمعت عبدالرحمان بن عوف رضى الله عنه يقول: عمّمنى رسول الله صلى الله عليه وسلم فسدلها بين يدىّ و من خلفى۔

امام ابوداؤدؒ نے سند ضعیف سے ابن خُیر بُوذ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اہل مدینہ میں سے ایک شخص نے بیان کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ نے مجھے عمامہ اوڑھایا تو اس کا شملہ میرے سامنے اور پیچھے کی طرف چھوڑا۔

نیز متعدد طرق سے یہ بات مروی ہے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کو عمامہ باندھا تو شملہ پیچھے کی جانب چھوڑا۔

وروی ابن سعد بسند ضعیف من طریق ابی أسد بن کُریب عن ابیہ قال: رأیت ابن عمرؓ یعتمّ فیرخی من عمامتہ شبراً بین کتفیہ ومن بین یدیہ۔

ابن سعدؒ نے سندِ ضعیف سے ابوأسد بن کریب سے انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن عباسؓ کو دیکھا وہ عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ ایک بالشت کے بقدر اپنے شانوں کے درمیان اور اپنے سامنے کی جانب میں چھوڑتے۔

روی ابو موسیٰ المدنی عن محمد بن قیس قال: رأیت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یعتمّ بعمامۃ قد أرخیٰ لھا بین یدیہ ومن خلفہ فلا أدری ایھما اطول ۔

ابوموسیٰ مدنیؒ محمد بن قیس سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: میں نے ابن عمرؓ کو عمامہ باندھے ہوئے دیکھا جس کا شملہ انہوں ے اپنے سامنے اور پیچھے کی طرف لٹکایا، میں واقف نہیں کہ ان میں سے زیادہ طویل کونسا تھا۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جن صحابہؓ سے میری ملاقات ہوئی میں نے ان میں سے کسی کو بھی عمامہ کا شملہ اپنے شانوں کے درمیان (پیچھے) لٹکائے ہوئے نہ دیکھا، سب کا شملہ سامنے کی طرف ہی تھا، امام مالکؒ کا یہ قول ابن حاج مالکیؒ نے "المدخل" میں نقل کیا ہے جو کہ اس پر دال ہے کہ حضرات تابعین کا عمل شملہ سامنے کی طرف چھوڑنے کا تھا۔

قول (۲) شملہ داہنی طرف چھوڑا جائے

روی الطبرانی بسند ضعیف عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یولّی والیاً حتیٰ یعمّمہ بعمامۃٍ ویُرخی لھا عذبۃ من الجانب الأیمن نحو الاذن۔

طبرانیؒ نے سندِ ضعیف سے حضرت ابوامامہؓ سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جس کو بھی حاکم بناتے تو اسے عمامہ باندھتے، اور اس کا شملہ دائیں جانب کان کی طرف لٹکاتے۔

قول (۳) شملہ بائیں طرف چھوڑا جائے

روی الطبرانی بسند حسن والضیاء المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ فی صحیحہ عن عبداللہ بن بُسر رضی اللہ تعالی عنہ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ الیٰ خیبر فعمّمہ بعمامۃٍ سوداء، ثم أرسلھا من ورائہ، أوقال علی کتفہ الیسریٰ۔

طبرانی نے سندِ حسن سے اور ضیاء مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن بُسرؓ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں جب رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو خیبر بھیجا تو ان کو سیاہ عمامہ باندھا اور اس کا شملہ پیچھے کی طرف چھوڑا، یا بائیں شانے پر، لیکن اس کے راوی کو شک ہے، دوسرے (بائیں طرف چھوڑنے) پر اس کو یقین نہیں اور حافظ ابن حجرؒ سے پوچھا گیا کہ حضرات صوفیاء عمامہ کا شملہ بائیں شانے پر ڈال لیتے ہیں اس کی سند کیا ہے؟ حافظ ابن حجرؒ نے جواب دیا صوفیاء پر اس کی توضیح لازم نہیں، اس لئے کہ یہ ایک امرِ مباح ہے، اس پر عمل

کرنے والے کو روک ٹوک نہیں کی جاسکتی، خصوصاً جبکہ یہ چیز انکا شعار اور شناخت ہو۔

قول (۴) شملہ پشت پر شانوں کے درمیان چھوڑا جائے

یہی مشہور ہے اور عام طور پر اس پر عمل بھی ہوتا ہے۔

عمامہ میں شملہ کی مقدار کتنی ہو؟

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ شملہ چار انگلیوں کے بقدر یا اس کے قریب ہو، اس سلسلہ کی اکثر روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے اور یہ سنداً بھی مضبوط ہے، چنانچہ طبرانیؒ نے ''اوسط'' میں سندِ حسن سے نقل کیا ہے ''عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أمر عبدالرحمان بن عوف رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ علیٰ سریة فأصبح عبدالرحمان وقد اعتم بعماۃ من کرادیس سوداء'' روایت میں آگے یہ الفاظ وارد ہیں '' فنقضها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وعممه وأرخی له أربع اصابع الحدیث '' رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمان بن عوفؓ کو عمامہ اوڑھایا اور چار انگلیوں کی مقدار اس کا شملہ چھوڑا۔

اس روایت کو امام بیہقیؒ نے بھی ''شعب الایمان'' میں فصل فی العمائم کے تحت ذکر کیا ہے۔ (ص ۱۷۴، ج ۵)

امام بیہقیؒ نے روایت ذکر کی جس میں فرمایا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے عید کے روز عمامہ باندھا اور شملہ پیچھے چھوڑا تھا، اسی طرح حضرت علیؓ نے بھی عید کے دن عمامہ باندھا اور شملہ پیچھے چھوڑا۔ (بیہقی ۱۷۴؍ج ۵)

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ شملہ مقام جلوس تک رکھا جائے، شراح کنز نے اس

قول کو نقل کیا ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ شملہ ٹخنوں تک رکھا جائے، چنانچہ ایک روایت میں ہے ''عن خطاب الحمصّی قال: حدثنا بقیّة بن الولید عن مسلم بن زیاد القرشی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: رأیت أربعة من أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: أبھر بن مالک، وأبا المنبعث، وفجالة بن عُبید وروح بن سیّار أوسیّار بن روح رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم یلبسون العمائم ویرخونھا من خلفھم ویثابھم الی الکعبین، قلت: تحرّر هل المراد الثیاب الی الکعبین أو العذبة؟''۔

حضرت مسلم بن زیاد قرشیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے چار صحابہ ابھر بن مالک، ابوالمنبعث، فضالہ بن عبید اور روح بن سیار یا سیار بن روحؓ کو دیکھا یہ حضرات عمامہ اوڑھتے اور اس کا شملہ پیچھے کی طرف لٹکاتے اور ان کے کپڑے ٹخنوں تک ہوتے تھے۔

یہ قول اور اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام محمد بن یوسف صالحیؒ لکھتے ہیں کہ ان حضرات کا اس روایت سے اپنے قول پر استدلال بظاہر تام نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ یہ وضاحت فرمایئے کہ یہاں کپڑوں کا ٹخنوں تک ہونا مراد ہے یا شملہ کا ٹخنوں تک ہونا؟۔ (سُبل الہدیٰ والرشاد)

OOLS\BISMILL
not found.

باب نمبر:(۹)

عمامہ کے آداب

از (کنز العمال)

سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے فرمایا: میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے عمامہ (کے شملہ) کو پیچھے لٹکایا تھا۔ (رواہ البیہقی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے فرمایا: غدیر خم کے روز مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک عمامہ باندھا اور اسے میرے پیچھے لٹکایا، اور ایک روایت میں ہے اور اس کے شملے میرے کندھوں پر لٹکا دیئے۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بدر و حنین کے دن جن فرشتوں کے ذریعہ میری مدد فرمائی انہوں نے اسی طرح عمامے باندھ رکھے تھے، اور فرمایا: عمامہ کفر وایمان کے درمیان رکاوٹ ہے اور ایک روایت میں ہے مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان۔ اور ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فارسی کمان سے تیر پھینک رہا تھا، فرمایا اس سے پھینکتے رہو، پھر ایک عربی کمان دیکھی تو فرمایا: انہیں اختیار کرو اور نیزے والے تیر استعمال کرو، کیونکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے شہروں میں قوت دے گا اور تمہاری مدد کرے گا۔

(ابن ابی شیبۃ، ابوداؤد طیالسی، وابن منیع، بیہقی فی السنن رکلام ذخیرۃ الحفاظ ۳۵۵۸)

(از مسند عبداللہ بن الشخیر) عبدالرحمٰن ابن عدی البحرانی اپنے بھائی عبدالاعلی بن عدی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا پھر انہیں عمامہ باندھا اور اس کا شملہ ان کے کندھے کے پیچھے لٹکا دیا پھر فرمایا: اس طرح عمامہ باندھا

کرو کیونکہ عمامہ اسلام کی نشانی ہے اور یہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان رکاوٹ ہے (رواہ الدیلمی)۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے فرمایا: جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ''سحاب'' عمامہ باندھا اور فرمایا: علی عمامے عربوں کے تاج ہیں اور (پٹکے سے کمر و گھٹنوں کو باندھ کر) احتباء کرنا ان کی دیواریں ہیں، مسجد میں مؤمن کا بیٹھنا سرحد کی حفاظت ہے۔ (رواہ الدیلمی)

حضرت علیؓ سحاب میں آتے ہیں

اور جب حضرت علیؓ عمامہ باندھ کر تشریف لائے تو حضور اقدس ﷺ نے فرط محبت اور غایت مسرت سے فرمایا **اتاکم علی فی السحاب** کہ علی تمہارے پاس سحاب میں آئے ہیں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھا اور اس کا شملہ ان کے کندھوں کے پیچھے سے آگے لٹکا دیا، پھر نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: اسے پیچھے کرلو تو انہوں نے پیچھے کرلیا، پھر فرمایا: آگے کرلو تو انہوں نے آگے کرلیا، پھر اپنے صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا: فرشتوں کے تاج اس طرح ہوتے ہیں (ابن شاذان فی مشیختہ)۔

ابن ابی زرین سے روایت ہے فرمایا: میں عید کے روز حضرت علیؓ کے پاس تھا کہ انہوں نے عمامہ باندھ رکھا تھا اور اپنے عمامہ کو پیچھے سے لٹکایا ہوا تھا، لوگوں نے بھی ایسا کر رکھا تھا (بیہقی فی الشعب)۔ (کنز العمال حصہ پندرہ ص ۲۱۲)

محدث عصر شارح ابوداؤد حضرت مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم کی شرح ''الدرالمنضود'' کے کچھ اقتباسات وعبارات بھی پیش خدمت ہیں۔

آپ ﷺ سے ٹوپی اور عمامہ دونوں کے معمول کا ثبوت ہے

نیز عون المعبود میں حافظ ابن القیمؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ سے تینوں طرح ثابت ہے صرف ٹوپی، صرف عمامہ، اورٹوپی کے اوپر عمامہ، **وفی الجامع الصغیر بروایۃ الطبرانی عن ابن عباسؓ قال کان یلبس قلنسوۃ بیضاء الخ۔**

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ سفید ٹوپی اوڑھتے تھے، حضرت امام بخاریؒ نے کتاب اللباس میں ''باب العمائم'' کا ترجمہ قائم کیا لیکن لبس عمامہ کی کوئی روایت نہیں ذکر کی بلکہ کتاب الحج کی روایت **لا یلبس المحرم القمیص ولا العمامۃ الحدیث** پر اکتفاء فرمایا، حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے نزدیک ان کی شرط کے مطابق چونکہ عمامہ کے بارے میں کوئی حدیث نہ تھی اس لئے ایسا کیا، پھر اس کے بعد حافظ نے مسلم کی روایت ذکر کی، عمرو بن حریث کی حدیث **قال کأنی انظر الی رسول اللہ ﷺ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفھا بین کتفیہ کذا فی الابواب والتراجم**، نیز اس میں یہ بھی ہے کہ علامہ سخاویؒ نے ''مقاصد حسنہ'' میں فضیلت عمامہ کے بارے میں متعدد روایات ذکر کی ہیں، مثلاً **العمائم تیجان العرب** اور ایسے ہی **علیکم بالعمائم فانھا سیماء الملائکۃ فارخوھا خلف ظھورکم۔** (الدرالمنضود علی سنن ابی داود ص ۱۷۳)

جہاں تک امام بخاریؒ کے باب میں روایات نہ لانے کا ذکر ہے چونکہ امام اپنی شرائط کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں اس لئے اور موقع پر اسی انداز سے عمل فرماتے ہیں

اورمحرم کے بارے میں روایت لاکر یہ بتادیا کہ غیر محرم کے لئے عمامہ کا استعمال مسنون ہے کیونکہ ممانعت کا تعلق صرف حالت احرام سے ہے۔

عمامہ کے ثبوت والوان وغیرہ میں علماء کی مستقل تالیفات

عمامہ کے موضوع پر متاخرین علماء میں سے ایک بڑے جید عالم محمد بن جعفر الکتانی المتوفی ۱۳۴۵ھ کی ایک مستقل تالیف ہے ''الدعامۃ لمعرفۃ احکام سنۃ العمامۃ'' جو عمامہ سے متعلق جملہ فروع اور جزئیات وصفات پر مشتمل ہے، انہوں نے اپنی اس کتاب کے شروع میں جن مصنفین نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں ان کے نام بھی لکھے ہیں، محدثانہ انداز میں انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے جو قابلِ مطالعہ ہے، اس کتاب میں انہوں نے الوان عمامہ پر بھی بہت سی نقول جمع کی ہیں اور یہ کہ کس کس طرح کا عمامہ آپ ﷺ سے پہننا ثابت ہے اور انہوں نے ہر ہر لون سے متعلق الگ الگ فصلیں قائم کی ہیں۔ (اخرجہ الترمذی قالہ المنذری)

نوٹ:۔ آپ ﷺ کا عمامہ اکثر اوقات سفید یا سیاہ رنگ کا ہوتا تھا، البتہ کبھی کبھی کسی دوسرے رنگ کا بھی استعمال فرماتے تھے، سیاہ عمامہ سے متعلق بعض احادیث مضمون میں گذر چکی ہیں، جبکہ مستدرک حاکم اور طبرانی وغیرہ میں نبی اکرم ﷺ کے سفید عمامہ کا تذکرہ ملتا ہے، علاوہ ازیں آپ ﷺ سفید کپڑوں کو بہت پسند فرماتے تھے، متعدد احادیث میں اس کا ذکر ہے، حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کپڑوں میں سے سفید کو اختیار کرو کیونکہ وہ تمہارے کپڑوں میں بہترین کپڑے ہیں اور سفید کپڑوں ہی میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔ (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ، مسند احمد)

عمامہ میں شملہ کس طرف چھوڑا جائے

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے میرے سر پر عمامہ باندھا تو اس کا ایک سرا میرے آگے کی جانب اور ایک پیچھے کی جانب لٹکا دیا، گویا اس کے دو شملے تھے ایک سینہ پر اور ایک کمر پر (بذل) اور عون المعبود میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پس اولیٰ یہ ہے کہ عمامہ کا سرا جس کو علامہ عذَبہ اور ذُبابہ بھی کہتے ہیں صرف ایک بین الکتفین ہونا چاہئے جیسا کہ عمرو بن حریثؓ کی روایت میں ہے یعنی صحیح مسلم کی روایت جو اوپر مذکور ہوئی، اسی طرح جامع ترمذی میں ابن عمرؓ سے مروی ہے **کان النبی ﷺ اذا اعتم سدل عمامة بین کتفیه** اور ابن عمر کے شاگرد نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے، اور امام نووی شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ عمامہ کا استعمال شملہ اور بغیر شملہ کے دونوں طرح درست ہے اور منع کی روایت ترک شملہ سے ثابت نہیں، اور خصائل میں شملہ کے بارے میں یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ اس کے بارے میں مختلف رہی ہے، شملہ چھوڑنے کا معمول اکثر تھا حتی کہ بعض علماء نے یہاں تک لکھ دیا کہ بغیر شملہ کے باندھنا ثابت ہی نہیں، لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ گاہے بغیر شملہ چھوڑے بھی عمامہ باندھ لیتے تھے اور شملہ چھوڑنے میں بھی مختلف معمول رہا ہے، کبھی آگے دائیں جانب، کبھی پیچھے دونوں مونڈھوں کے درمیان، کبھی عمامہ کے دونوں سرے شملہ کے طریقہ پر چھوڑ لیتے تھے، علامہ مناویؒ نے لکھا ہے کہ ثابت اگرچہ سب صورتیں ہیں لیکن ان میں افضل اور زیادہ صحیح دونوں مونڈھوں کے درمیان پچھلی جانب ہے۔

آپ ﷺ کے عمامہ کا طول کتنا تھا؟

آپ ﷺ کے عمامہ کی پیمائش کے بارے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ "خصائل نبوی" میں لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے عمامہ کی مقدار مشہور روایات میں نہیں ہے، طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع آئی ہے، بیجوری نے ابن حجر سے اس حدیث کا بے اصل ہونا نقل کیا ہے، علامہ جزری کہتے ہیں کہ میں نے سیر کی کتابوں کو خاص طور سے تلاش کیا مگر حضور ﷺ کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی، البتہ امام نووی سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ آپ کے دو عمامے تھے، ایک چھوٹا چھ ہاتھ کا، مناوی کے قول کے موافق، اور سات ہاتھ کا ملا علی قاری کے قول کے موافق، اور ایک بڑا عمامہ بارہ ہاتھ کا، صاحب مَدخل نے حضور اکرم ﷺ سے عمامہ کی مقدار فقط سات ہی ہاتھ بتائی ہے، دوسرا نہیں بتایا، عمامہ کا باندھنا سنت مستمرہ ہے، نبی اکرم ﷺ سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی نقل کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے عمامہ باندھا کرو اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے الی آخرہ، اور الابواب والتراجم میں ہے **نقلاً عن الحافظ وعن ابی الملیح بن اسامة عن ابیه رفعه "اعتموا تزدادوا حلما" اخرجه الطبرانی والترمذی فی العلل المفرد وضعفه البخاری وقد صححه الحاکم فلم یصب، الی آخر ماذکر۔**

(الدر المنضود الجزء السادس/ص ۱۷۱)

نیز اسی طرح حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ فیض الباری میں فرماتے ہیں:

باب العمائم: قال الشیخ شمس الدین الجزری: تتبعت قدر عمامة النبی ﷺ فتبین من کلام الشیخ محی الدین النووی

أنها كانت على أنحاء: ثلاثة أذرع، وسبعة ، واثنتى عشر، من الذراع الشرعى، وهو النصف من ذراعنا، وتلك الاخيرة كانت للعيدين۔

(فیض الباری کتاب اللباس رص، ج ۴ رص ۳۷۵)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کا ذکر

حضرت شیخ محمد زکریاؒ خصائل نبویؐ میں تحریر فرماتے ہیں:

(۵) ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ پڑھا اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا یا چکنی پٹی تھی (فائدہ) یہ قصہ حضور ﷺ کے مرض الوفات کا ہے اس وقت حضور ﷺ کے سر میں شدید درد تھا جس کی وجہ سے پٹی باندھنا بھی موجہ ہے اور چونکہ حضور اکرم ﷺ کے سر مبارک پر تیل کی زیادہ مالش ہوتی تھی جیسا کہ آئندہ آنے والا ہے، اس لئے اس پٹی کا چکنا ہونا بھی قرینہ قیاس ہے اور سیاہ عمامہ تو ظاہر ہے اس میں کسی قسم کا بعد نہیں حضور ﷺ کی عادت شریفہ تھی ہی، غرض علماء اس کے مطلب میں دونوں طرف گئے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ (خصائل نبویؐ ترجمہ شمائل ترمذی رص ۶۵)

OOLS\BISMILLA
not found.

باب نمبر (۱۰)

سنتِ عمامہ کی افادیت میڈیکل وسائنسی نقطۂ نظر سے

حضور اقدس ﷺ نے تین رنگوں کے عمامے استعمال فرمائے ہیں۔

(۱) سفید (White)

(۲) سبز (Green)

(۳) سیاہ (Black)

عمامہ سنت رسول اللہ ﷺ ہے، اس کے بے شمار فوائد ہیں۔

جو آدمی عمامہ باندھے گا وہ لُو لگنے (Sun Stroke) سے بچ جائے گا۔

عمامہ باندھنے سے دائمی نزلہ نہیں ہوتا، اگر ہو بھی تو اس کے اثرات کم ہو جاتے ہیں۔

سر درد کے لئے عمامہ بہت مفید ہے، جو عمامہ باندھے اسے درد سر (**Headache**) کا خطرہ کم ہو جائے گا۔

عمامہ دماغی تقویت اور یادداشت بڑھانے کے لئے عجیب الاثر ہے۔

عمامہ کا شملہ ریڑھ کی ہڈی کے ورم (Inflammation Of Vertebral Column) سے بچاتا ہے۔

عمامہ کا شملہ نچلے دھڑ (Lower Half of The Body) کے فالج سے بچاتا ہے، کیونکہ عمامہ کا شملہ حرام مغز (Spinal Cord) کو سردی گرمی اور موسمی تغیرات سے محفوظ رکھتا ہے، س لئے ایسے آدمی کو سرسام (Meningitis) کے خطرات کم رہتے ہیں۔

فزیالوجی کی تحقیق اور ریسرچ کے مطابق جب حرام مغز (Spinal Cord)

محفوظ رہے گا تو جسم کا اعصابی نظام (Nervous System) اور عضلاتی نظام (Muscles Sustem) درست اور منظم رہے گا اور ایسا عمامہ کے شملہ میں ممکن ہے۔

سفید عمامہ کی وجہ سے دماغ اور دماغی اعصاب (Brain Nerves) گرمی کی تمازت اور لو کے اثرات سے محفوظ رہتے ہیں۔

ایسے آدمی کو لولگنا (Sun Stroke) سرسام دماغی فالج جیسے امراض بہت کم ہوتے ہیں۔

فیصل آباد کے ایک صاحب نے بتایا کہ مجھے دائمی نزلہ اور دردسر تھا کسی نے عمامہ باندھنے کا مشورہ دیا، میں نے مستقل عمامہ استعمال کیا، مجھے بہترین افاقہ ہوا۔

عمامہ اور ماہرین نفسیات

ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ عمامہ باندھا کرو اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے (فتح الباری)۔

ڈاکٹر عزیز احمد ماہر نفسیات ہیں، فرمانے لگے کہ میں جب اعلیٰ ڈگری کے لئے بیرون ملک گیا تو وہاں نفسیاتی امراض سے بچنے کیلئے عمامہ نما ایک کپڑا سا سر پر باندھا جاتا تھا، میں نے جب دیکھا تو فوراً بولا یہ تو عمامہ ہے اور جس انداز سے آپ باندھ رہے ہیں ہمارے نبی کریم ﷺ نے بالکل اسی طرح باندھا تھا، ماہرین وہ عمامہ نما کپڑا اس لئے باندھتے تھے کہ اس سے آدمی کے اندر مسائل ومصائب کی برداشت اور قوت پیدا ہوتی ہے، اور آدمی بے شمار نفسیاتی امراض سے بچ جاتا ہے (حلم نام ہے قوت برداشت اور تدبر کا)۔

صدیوں قبل آقائے دوجہاں ﷺ نے فرمادیا اور موجودہ سائنس اب تحقیق کر رہی ہے۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس ص از ۱۵۰ تا ۱۵۲)

جمالیاتی نقطۂ نظر سے بھی عمامہ چہرے کو بارعب اور پرکشش بنادیتا ہے۔

جنگ اور زلزلوں کے دھماکوں کی فلک شگاف آوازوں یا طوفانی بادوباراں کی کڑک سے کانوں کو صدموں سے بچانے کے لئے عمامہ کا استعمال نہایت مفید رہتا ہے۔

چنانچہ ہوائی حملوں سے بچاؤ کے لئے منہ کے بل لیٹ کر سر اور چہرے کو ڈھانکنے کے احکام دیئے جاتے ہیں، اگر سر پر عمامہ کی سنت رہے تو ہم ان تمام خطرات سے بیک وقت بچ سکتے ہیں، غرض یہ کہ اس سنت میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

مشہور روسی ماہر نے بالوں کے گرنے سے متعلق لکھا ہے کہ بغیر عمامہ یا ٹوپی کے ننگے سر چلنا بالوں کے لئے مضرت رساں ہے، ننگے سر بالوں پر براہ راست دھوپ کی گرمی، سردی کے اثرات سے نہ صرف بال بلکہ پورا چہرہ اور دماغ بھی متاثر ہوتا ہے، جس سے صحت بھی متاثر ہوسکتی ہے۔ (بحوالہ سنتیں اور ان کی برکات اور جدید سائنس)

عمامہ کے فوائد طبی وسائنسی نقطۂ نظر سے

میڈیکل سوشیالوجی کے نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو عمامہ سے بے حد فوائد وابستہ نظر آتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے ہمیشہ عمامہ ٹوپی کے اوپر باندھا ہے اور آپ ﷺ کا مبارک عمامہ متوسط ہوتا تھا، یعنی نہ بہت بڑا اور نہ بہت چھوٹا، عموماً ۷ تا ۱۱ ر پھیر والا ہوا کرتا تھا۔ (ترمذی)

(۱) فوائد کے لحاظ سے عمامہ سر، کان، گردن، حلق وغیرہ کو موسموں کے شدائد (یعنی گرمی، سردی اور بارش) کی مضرتوں سے بچاتا ہے، خصوصاً عصبی مزاج (Temp ermehtnervous) حساس طبیعت جو بہت جلد گرمی یا سردی سے متاثر ہوجایا کرتے ہیں ان کے لئے عمامہ اور اوڑھنی وغیرہ ایک نعمت اور ایئر کنڈیشن کا کام دیتا ہے، چنانچہ اسی کمی یا ضرورت کو پورا کرنے کے لئے لوگ اکثر گلوبند، مفلر اور رومال چادر وغیرہ سے سر ڈھانپ لیا کرتے ہیں اور گرما میں دھوپ اور لو سے بچاؤ رہتا ہے۔

(۲) بیرونی ضروریات سے بطور سپر (Shield) صدمات سے سر کو محفوظ رکھتا ہے، چنانچہ انہی بیرونی صدمات سے سر کو محفوظ رکھنے کے لئے موٹر سائیکل سواروں کے لئے حکومت نے (Helmet) کا لزوم عائد کیا ہے۔

(۳) ضرورتاً عمامہ سے دیگر اہم ضروریاتِ زندگی بھی پوری کی جاسکتی ہیں، مثلاً:

(۱) بطور چادر بچھانے اور اوڑھنے یا بطور تکیہ کام لیا جاسکتا ہے۔

(۲) حادثات اور شدید حالتوں میں بطور کفن کام لیا جاسکتا ہے۔

(۳) حادثات اتفاقی (Accident) میں بطور جبائر (بینڈیج) کام آسکتا ہے۔

(۴) بطور پریشر بینڈیج (Pressur Bandage) صدمات (Shock) اور بے ہوشی میں کئی قیمتی جانیں بچائی جاسکتی ہیں۔

(۵) عمامہ حادثاتی مرضاء کو لپیٹنے، اٹھانے اور انہیں منتقل کرنے کیلئے بطور چادر استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

(۶) مسافرت میں ڈول رسی کی عدم موجودگی میں باؤلی سے پانی حاصل کرنے کے لئے مناسب ذریعہ بن جاتا ہے۔

(۷) زائد شملہ (عمامہ کی دُم جس کو حضور اقدس ﷺ نے شانوں کے درمیان تک چھوڑا ہے) گردن اور ریڑھ کی ہڈی اور اس کے گودے حرام مغز (Spinaicord) کو موسم کی شدت خصوصاً لُو لگنے (Sunstroke) اور (Heatshoik) سے بچایا جاسکتا ہے جس کے نتیجے میں درجۂ حرارت ۱۰۵/۱۰۶ ڈگری تک پہنچ جاتا ہے، اور خطرناک دماغی امراض مثلاً ورم اغشۂ دماغ (دماغ کے پردوں کا ورم) وغیرہ جیسے مہلک امراض سے محفوظ اور نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔

باب نمبر (۱۱)

حضور اکرم ﷺ اور انبیاء کرام کے لباس کے بارے میں کچھ گفتگو

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی حکیمانہ تحریر

انبیاء کرامؑ کا لباس شرعی اور ان کے باطنی جذبات کا مظہر ہوتا ہے

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (اسی طریقہ پر چلتے جایئے اور ان جہلا کی خواہشوں پر نہ چلئے) جس سے بالکل یہ معاملہ کھل جائے کہ معاش ومعاد کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق رسول کے پاس غیبی الہام، اشارۂ باطن اور داعیۂ قلب سلیم موجود نہ ہو اور اسے لباس وغیرہ میں عامۂ اہل ہوا کی پیروی کرنی پڑے، لیکن نکتہ چین جنکو فقہ باطن سے کوئی حصہ نہیں دیا گیا یہ کہتے ہوئے ذرا بھی نہ شرمائیں کہ یہ انبیاء کی ذوات قدسی صفات تو جس مرز وبوم اور جس قوم میں مبعوث ہوتی ہیں اسی قوم کی معاشرت اور لباس کی پابندی پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی روشنی ہی نہیں ہوتی معاذ اللہ! كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔

کیا یہ خدا کی بھیجی ہوئی رسالت کی تکذیب بلکہ موضوع رسالت کی تغلیب اور قرآن کریم کی آیات بینات کا صریح مقابلہ ومعارضہ نہیں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے حقیقت کو سمجھا ہی نہیں، اگر آپ نگاہ حقیقت میں رکھتے تو یہ سمجھ لینا کچھ مشکل

نہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی معاشرت اور لباس وغیرہ ان کے نور تقویٰ وطہارت ، صبر وقناعت ، زہد فی الدنیا ورغبت فی الآخرت کے تابع ہوتے ہیں ان کے لباس پر انہیں اخلاق فاضلہ کا رنگ چھایا رہتا ہے ان کی معاشرت زہدانہ اور قانعانہ ہوتی ہے ، وہ تعلق مع اللہ اور رجوع وانابت الی اللہ پھر غناء قلب کے سبب کم سے کم کھانے اور کم سے کم پہننے پر اپنے اشارات باطن سے ہروقت راضی اور مستعد رہتے ہیں، اسی لئے نہ ان کے لباس میں اسراف کا دخل ہے نہ خیلاء وتکبر کا۔ بلکہ ان کے لباس کی انواع والوان اور اوضاع پر خاکساری وفروتنی اور عبدیت وتواضع چھائی ہوئی ہوتی ہے، پس ان کا لباس ان کے قلبی اخلاق وجذبات اور باطنی دواعی کے تابع ہوتا ہے نہ کہ اقوام واوطان کے رسم ورواج کے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کسی مرز وبوم اور کسی قوم میں بھی مبعوث ہوں ان کے لباس کی نوعیت یکساں ہی رہی ہے اور وہ بیشتر حُلّہ (یعنی رداء وازار) ہی ہوا ہے، کیونکہ حُلّہ انتہائی زہد وقناعت کا لباس ہے اور انبیاءؑ سے بڑھ کر بسیط ارض پر کوئی زاہد نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت تو نکتہ چینوں کو بھی اعتراف ہے کہ آپ کا عمومی لباس یہی حُلّہ تھا، نیز روایت صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا لباس بھی حلہ ہی تھا، چنانچہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث میں ان کے لباس کے بارے میں صریح ہے۔ **ان روح الله عيسىٰ نازل فيكم فاذا رأيتموه فاعرفوه فانه رجل مربوع الى الحمرة والبياض عليه ثوبان محصران الخ۔**

(کنز العمال، ج۷ر۲۰۳)

بلاشبہ عیسیٰ روح اللہ تم میں نازل ہونگے ، جب تم انہیں دیکھو تو ان علامات سے پہچان لینا کہ وہ سُرخ سپید رنگ کے ہونگے اور ان کے بدن پر دو چادریں زرد رنگ کی ہونگی الخ، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی ہیں جو شام میں مبعوث ہوئے اور وہ ملک بھی حجاز سے ٹھنڈا ہے لیکن پھر بھی حُلّہ کا استعمال فرمانا واضح کرتا ہے کہ حلہ میں حجاز کی کچھ وطنی خصوصیات نہ تھی کہ کسی حجازی میں پیدا ہونے والے نبی کا لباس بنے ، بلکہ لباس کے دائرہ میں ہر ملک وقوم کے اصحاب زہد وتقویٰ کی انتہائی منزل یہی ہوسکتی ہے۔

نیز اسمٰعیل علیہ السلام کا لباس بھی حُلّہ ہی تھا، چنانچہ فاروق اعظمؓ کا فرمان آپ دیکھ چکے ہیں، جس کے الفاظ یہ تھے **فاتزروا وارتدوا وعليكم بلباس ابيكم اسمٰعيل** (ازار وردا کا استعمال کرو اور اپنے باپ اسمٰعیل علیہ السلام کا لباس ضروری سمجھو)۔ نیز ابراہیم علیہ السلام کا لباس بھی حُلّہ ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ افعال حج در حقیقت افعال ابراہیمی کی نقل ہے، اور ان میں احرام (جو حُلّہ ہے) واجبات مناسک میں سے ہے، پس گویا امت مسلمہ کے ہر شاہ وگدا پر لازم کر دیا گیا کہ کم سے کم ایک دفعہ عمر بھر میں لباس میں بھی ابراہیمؑ کی اقتدا کرے۔ (التشبہ فی الاسلام رص۱۰۰)

قرائن وشواہد

(۱) پھر اگر قرائن جمع کئے جائیں تو ان سے بھی اندازہ ہوسکے گا کہ لباس انبیاء حلہّ ہی ہے، حدیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے کہ اہل جنت کا لباس بھی حلہ ہی ہوگا، اور اہل معرفت لکھتے ہیں کہ تمام وہ نِعَم جو جنت کے ابتدائی درجات میں عوام مومنین پر فائض

ہونگی انبیاء علیہم السلام پر دنیا ہی میں فائض کردی جاتی ہیں، پس یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ انبیاء علیہم السلام دنیا ہی میں اہل جنت کی ہیئت اختیار فرمالیں کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت ہی میں مقیم رہتے ہیں۔

(۲) نیز حضور ﷺ کو انبیاء ماسبق کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ہَدَی اللّٰہُ فَبِھُدَاھُمُ اقْتَدِہْ یہ وہی (انبیاء مذکورین) ہیں خدا نے انہیں سچے رستے کی ہدایت کی پس آپ بھی ان کے خصائل میں انکا اتباع کیجئے، اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ آیت میں اقتداء مطلق ذکر کی گئی ہے نہ اقتداء کو اخلاق سے مقید کرلیا جاتا ہے لیکن ادراک کا کنارہ ٹوٹ جانے سے اس میں علم کے بجائے جہالت، عقل کے بجائے غفلت، عصمت وعفت کے بجائے سُبعیت وبہیمت کے رذائل داخل ہوجائیں گے اور جب اس کی اندرونی یا ذاتی اشیاء نکل جائیں گی تو لامحالہ ان کے بجائے بیرونی چیزیں داخل ہوکر اس کی حقیقی انسانیت کو فنا کردیں گی، کیونکہ کسی چیز کی حد ٹوٹ جانے کی ہی حقیقت ہوسکتی ہے کہ نہ وہ اپنے محدود کی ذاتی اجزاء کیلئے جامع ہے اور نہ غیر اشیاء کے داخل کرنے سے مانع، پس جس طرح یہ اک نہایت ہی رفیع المنزلت تکوینی مجسمہ (انسان) اس تکوینی تشبہ اور خارج از انسانیت اشیاء کے اختلاط سے اپنی حقیقی انسانیت کو کھوبیٹھا، اسی طرح سلسلۂ تشریع میں مذاہب واقوام اور انسانی مجموعے بھی جبکہ خارجی اشیاء کو اپنے اندر داخل کرلینے سے مانع نہیں ہوتے تو وہ یقیناً اپنی ذاتی خصوصیات کے لئے جامع بھی نہیں رہتے، اور اس عدم منع وجمع کے سبب ان کی حقیقی قومیت بھی پامال اور اختلاط والتباس یا عدم یا امتیاز کے سبب

سے معدوم ہوجاتی ہے، پس کسی قوم کے اپنی اصلی حدود پر باقی رہنے اور دوسری اقوام میں مدغم نہ ہونے کی صورت ہی یہ ہے کہ وہ اس تشبہ، یا تخریب حدود، یا ابطال ذاتیات یا افساد حقائق کے ہلاکت انگیز دائرہ سے بچائی جائے۔

(۱) یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے ان عورتوں پر لعنت کی جو مردوں سے اوضاع واطوار میں تشبہ کرتی ہیں، پھر اسی طرح ان مردوں پر جو تشبہ بالنساء کرتے ہیں، کیونکہ ہر دو صنف کی حدود الگ الگ اور ہر ایک سے اغراض جدا جدا متعلق ہیں، اور جبکہ ایک صنف دوسری سے مشابہت پیدا کررہی ہے تو گویا اپنی حدود کو توڑ کر دوسرے کی حدود میں قدم رکھ رہی ہے اور ان منافع ومقاصد کو باطل کرنا چاہتی ہے جو اس کی اسی صنفی صورت سے متعلق تھے کیونکہ مذہب التباس کے سبب متشبّہ صنف کی فطری شکل مٹے گی تو اس سے متعلقہ اغراض بھی فنا ہوجائیں گی، دیکھو آج یورپ کی متمدن دنیا کی معیشت تنزلی کا سب سے زیادہ گہرا مرض یہی اختلاط التباس ہے، مغرب کی ایک عورت جو تمام عورتوں کی طرح نوع انسانی کی تکثیر وترتیب کے لئے تھی، جو قلوب کے سکون اور روحوں کی مودّت کیلئے تھی اور جو ایک سلیقہ شعار اور ایک عفت آثار بیوی بننے کیلئے پیدا کی گئی تھی اور جو اس لئے تھی کہ گھر کی چہار دیواری کو اس سے زینت ہو اور نظام خانہ داری اس کے دست وبازو کی حرکت پر قائم رہے، آج وہ گھر کا میدان چھوڑ کر مردانہ لباس میں کارخانوں، تجارت گاہوں اور ٹکٹ گھروں میں مزدوری تلاش کرنے لگی، سڑکوں اور تفریح گاہوں کیلئے آلۂ رونق بننے لگی، اسکولوں اور کالجوں میں مردوں کے دوش بدوش کھڑی ہوگئی، تو انصاف سے

بتلاؤ کہ کیا یہ وہی عورت ہے جس کو نسائیت کیلئے وضع کیا گیا تھا؟ یا اس میں سے نسوانی خصائص نکل کر کتنے ہی مردانہ خصائل اس میں حلول نہیں کر گئے اور جب ایسا ہوا تو وہ نہ خالص عورت ہی رہی اور نہ بالکل مرد ہی بن سکی، بلکہ وہ ایک تیسری جنس ہوگئی، جس کو خدا کی فطرت نے نہیں بلکہ انسان کی گمراہی نے پردۂ دنیا پر لا کھڑا کیا ہے۔

چنانچہ دیکھ لو کہ اس تیسری قسم کی عورت کے نہ وہ جذبات ہی رہے جو عورتوں کے لئے قدرت نے صنفی حیثیت سے رکھے تھے نہ اس کے وہ فرائض ہی رہے جن کے لئے اس کی تخلیق کی گئی تھی، اس کے محسوسات بدل گئے، خیالات میں انقلاب عظیم پیدا ہوگیا، اب نہ اس کا عورتوں کا سا چہرہ ہے، نہ عورتوں کا سا دل اور وہ اپنے قلب وقالب کو چھوڑ کر کسی دوسرے جون (حالت) میں آگئی ہے، جو نہ عورت کا ہے نہ مرد کا، گویا فطرت نے مرد اور عورت کو دو جنس قرار دینے اور ان میں ہر اعتبار سے تفریق وامتیاز رکھنے میں (معاذ اللہ) سخت غلطی کی تھی جس کی اصلاح آج یورپ کے مدبروں نے حریت ومساوات کے نام سے کی، یہ جون اور قوالب وقلوب کا بدل جانا یقیناً اسی حد بندی کے توڑ دینے کا نتیجہ ہے جس کی روک تھام ترک تشبہ نے کی تھی، اور بتلایا تھا کہ یہ اختلاط والتباس اگرچہ ملحدوں کی زبانوں سے حریت ومساوات کا لقب پانے والے ہے مگر اسلام کے نزدیک وہ ایک لعنت اور مخرب وجود شئے ہے۔

جناب رسول خدا ﷺ نے نہایت تشدد آمیز لہجہ میں اس تشبہ نسائی کا دروازہ بند فرمایا اور اس پر لعنت فرمائی ہے **لعن اللہ الرجل یلبس لبسة المرء ة و المرء ة تلبس لبسة الرجل (وفی روایة) لیس منا من تشبه بالرجال من النساء**

ولا من تشبه بالنساء من الرجال (ابوداؤد) خدا کی لعنت ہے اس مرد پر جو عورتوں کا سا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مردوں کا سا لباس پہنے (اور ایک روایت میں ہے) وہ مرد ہم میں سے نہیں ہے جو عورتوں سے تشبہ کرے اور نہ وہ عورت ہم میں سے ہے جو مردوں سے تشبہ کرے۔

(۲) یہی وجہ ہے کہ شریعت نے مصوروں پر لعنت کی، کیونکہ ایک مصور تصویر کشی اور بت گری کے وقت گویا اپنی مخلوقیت کی حدود کو توڑ کر حد خالقیت میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور دونوں حدود کو مشتبہ اور ملتبس بنا دینا چاہ رہا ہے، حدیث شریف میں ارشاد ہے: **ان اصحاب هذه المصور لیعذبون یوم القیمة یقال لهم اجبو ماخلقتم (وفی روایة) ان اشد الناس عذابا یوم القیمة الذین یضاهون بخلق الله** (صحیحین) یہ تصویر کش لوگ قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے، کہا جائے گا کہ اس اپنی مخلوق (تصاویر) میں جان ڈالو (اور ایک روایت میں ہے) سب سے زیادہ شدید عذاب قیامت کے دن ان لوگوں پر ہوگا جو اللہ کی صفت خلق سے تشبہ کرتے ہیں (گویا خالق بننا چاہتے ہیں)۔

ان واقعات وشواہد کے مقابلہ میں یہ کلیہ کس قدر مضحکہ انگیز اور طفلانہ ہے کہ ہر موطن کے انبیاء علیہم السلام اسی موطن کے رسم ورواج کے تابع ہوتے ہیں وہ لندن میں آئیں تو پینٹ کوٹ پہننے لگیں، ایران میں آئیں تو کج کلاہ بن جائیں، اور ہندوستان میں آئیں تو اچکن وچکن اور بانکی پگڑیاں استعمال کرنے لگیں، یعنی ان کا کوئی اپنا داعیۂ قلبی ہی نہ ہو، جس کی وہ پیروی کریں، بلکہ وہ بھی معاذ اللہ ابناء وطن کی طرح بجائے

تدیّن کے تمدن اور بجائے تمکن کے تلوُّن ہی کے دلدادہ ہوکر دنیا میں آتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کی جیسی معاشرت دیکھتے ہیں ویسا ہی کرنے لگتے ہیں۔

پھر صد حیرت وتعجب ہے کہ اس دور الحاد ودہریت اور بعید از اسلاف قرن میں تو ان دُعاۃ مذہب کے پیرو، ہندوؤں کے جوگی، نصرانیوں کے راہب یہود کے احبار، بودھ مت کے بھکشو اور مسلمانوں کے متصوف، دنیا کے مختلف سرد وگرم خطوں چین وجاپان اور ہندوایران وغیرہ میں اس قدیم زاہدانہ وضع کو اپنے فہم ومقدور کے موافق برقرار رکھنے کی سعی کرتے رہے اور کسی مرز دبوم کی خصوصیات ان کی اس پختگی میں سستی پیدا نہ کرسکیں۔ (التشبہ فی الاسلام رص ۱۰۱)

موضوع کی مناسبت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لباس نبوی شریف (علیٰ صاحبہ الالف الف تحیۃ وسلام) پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ ایک اجمالی خاکہ محبین کے اندر آجائے، پھر جس کو جس قدر اتباع کا ذوق وشوق ہو اس کیلئے ایک راہ کھل جائے، حضرت علامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لباسِ نبویؐ کے عنوان سے سیرت المصطفیٰ جلد نمبر ۲ رص ۵۴۲ ر پر اس طرح لکھتے ہیں:

لباس نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ کا لباس نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا، فقیرانہ اور درویشانہ زندگی تھی، عام لباس آپ کا تہمد اور چادر اور کرتہ اور جبہ اور کمبل تھا جس میں پیوند لگا ہوتا تھا۔ آپ کو سبز لباس پسند تھا، آپ کی پوشاک عموماً سفید ہوتی تھی۔

چادر: یمنی چادر جس پر سبز اور سرخ خطوط ہوں، آپ کو بہت مرغوب تھی جو

بردیمانی کے نام سے مشہور تھی، خالص سرخ سے منع فرماتے۔

ٹوپی: سر سے چمٹی ہوئی ہوتی تھی اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی، ابوکبشہ انماری سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام کی ٹوپیاں چپٹی سر سے لگی ہوئی ہوتی تھیں اونچی نہیں ہوتی تھیں۔

عمامہ: آنحضرت ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام رکھتے تھے، فرماتے ہیں کہ ہم میں اور مشرکین میں یہ بھی فرق ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں (ابوداؤد)۔

حضور پُرنور ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ دوشانوں کے درمیان لٹکا لیتے اور کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب ڈال لیتے اور کبھی تحت الحنک ٹھوڑی کے نیچے لپیٹ لیتے، حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے جنگِ بدر اور جنگ حنین میں میری امداد کے لئے ایسے فرشتے اتارے جو عمامے باندھے ہوئے تھے، جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے: بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۔

پاجامہ: حدیث میں ہے کہ آپ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ بکتا ہوا دیکھا، دیکھ کر اسے پسند فرمایا اور فرمایا کہ اس میں بہ نسبت ازار کے تستُّر زیادہ ہے اور اس کو خرید فرمایا، لیکن استعمال کرنا ثابت نہیں۔

قمیص: پیراہن آپ کو بہت محبوب تھا، سینہ پر اس کا گریبان تھا، کبھی کبھی اس کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہوتی تھیں۔

لُنگی: آپ کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہتے تھے بالخصوص آپ کا تہمد

آدھی پنڈلی تک ہوتا تھا۔

موزے: بھی استعمال فرماتے تھے اوران پر مسح فرماتے۔

گدّا: آپ کا گدا ایک چمڑے کا ہوتا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی، اور بسا اوقات حضور پرنور ایک بوریئے پر سویا کرتے تھے حصیر (بوریا) آپ کا بستر تھا۔

انگوٹھی: دست مبارک میں چاندی کی انگوٹھی بھی استعمال فرماتے تھے، آنحضرت ﷺ نے جب قیصر روم اور نجاشی شاہ حبشہ وغیرہ کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا کہ سلاطین بدوں مُہر کے کوئی تحریر قبول نہیں کرتے، اس لئے آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس میں تین سطروں میں اوپر نیچے ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا۔

نعلین مبارکین

نعلین مبارکین، چپل کے طرز کے ہوتے تھے کہ جس میں نیچے صرف ایک تَلا ہوتا تھا اوراوپر دو تسمے لگے ہوتے تھے، جن میں انگلیاں ڈال لیتے تھے۔

خرقۂ نبوی ﷺ

قال اللّٰہ تعالیٰ: یَاۤاَیُّھَاالْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ، وقال تعالیٰ: یَاۤاَیُّھَاالْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ۔

اے برادر درلباسِ صوف باش
باصفتہائے خداموصوف باش

آپ ﷺ کے پاس صوف کا ایک کالا کمبل بھی تھا، جس میں پیوند لگے ہوئے تھے جس کو خرقہ (گدڑی) کہتے ہیں، صوف کا کالا کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے ہوں یہ انبیاء کرام کی سنت ہے جو اولیاء اللہ اور درویشوں کو وراثت میں ملا ہے، افسوس اور ہزار افسوس کہ یہ سنت اب دنیا سے رخصت ہوئی، صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ جو صوف کا کمبل انبیاء کرام کی سنت پر عمل کرنے کیلئے پہنتا ہو اور دنیا کو تین طلاق مغلظہ بائنہ دیکر بے فکر ہوگیا ہو، اور حلۂ شاہی وامیری کو اس خرقۂ درویشی کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہو۔

گرچہ درویشی بود سخت اے پسر
ہم ز درویشی نہ باشد خوب تر

قال ابن مسعود کانت الانبیاء یرکبون الحمر ویلبسون الصوف ویحتلبون الشاۃ رواہ الطیالسی وعنہ صلی اللہ علہ وسلم قال کان علی موسیٰ یوم کلمہ ربہ کساء صوف وکمتہ صوف وجبۃ صوف وسراویل صوف وکانت نعلاہ من حمارمیت رواہ الترمذی وقال غریب والحاکم وصححہ علی شرط البخاری۔ (زرقانی، ج١٦/٥)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء دراز گوش پر سواری کرتے تھے اور صوف کا لباس پہنتے تھے اور بکریوں کا دودھ دوہتے تھے، اس روایت کو ابوداؤد طیالسی نے روایت کیا ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس روز موسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ جل شانہ سے ہم کلام ہوئے اس روز ان کا کمبل صوف کا تھا، اور

ٹوپی بھی صوف کی تھی، اور جبّہ بھی صوف کا تھا، اور پاجامہ بھی صوف کا تھا، اور نعلین مردہ گدھے کی کھال کے تھے، اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا ''غریب الاسناد'' ہے اور حاکم نے بھی روایت کیا اور یہ کہا کہ یہ حدیث شرط بخاری پر صحیح ہے۔

ابوبردہ بن ابی موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ ایک دن عائشہ صدیقہؓ نے صوف کا ایک موٹا کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور ایک موٹا تہمد نکال کر ہم کو دکھلایا اور یہ کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات ان دو کپڑوں میں ہوئی۔ عائشہ صدیقہؓ کا مقصد آپ کی سادگی اور تواضع اور شان درویشی وفقیری کو بتلانا تھا کہ حضور پرنور کی زندگی ایسی تھی۔

(رواہ البخاری فی فرض الخمس واللباس ومسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ)

اور حق تعالیٰ جل شانہ کے اس سراپا لطف خطاب یعنی یَآ اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اور یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ میں اشارہ اس طرف ہے کہ بارگاہ خداوندی میں کمبل اور گدڑی غایت درجہ محبوب تھا، کہ اس لباس کے عنوان سے حضور پرُنور کو خطاب فرمایا، اس لئے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے لکھا ہے کہ اولیاء کرام کے نزدیک سورۂ مزمل کو ''سورۃ الخرقہ'' کہتے ہیں جس میں خرقہ (گدڑی) کے آداب اور شرائط کا ذکر ہے (دیکھو تفسیر عزیزی)۔

لباسِ نبوی ﷺ لباسِ ابراہیمی اور اسماعیلی تھا
معاذ اللہ قومی اور وطنی لباس نہ تھا

حضرت نبی اکرم ﷺ کا یہ لباس اور یہ معاشرت معاذ اللہ معاذ اللہ! قومیت یا وطنیت کے اتباع کے ارادے سے نہ تھا، بلکہ وحی ربانی اور الہام یزدانی کی اتباع

سے تھا، عرب میں قدیم سے حلہ یعنی چادر اور تہ بند کا دستور چلا آرہا تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا یہی لباس تھا، جیسا کہ فاروق اعظمؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے آذربائیجان کے عربوں کو حلہ پہننے کی یہ کہہ کر ترغیب دی کہ وہ تمہارے باپ اسماعیل علیہ السلام کا لباس ہے۔

امّا بعد! فاتزروا وارتدوا علیکم بلباس ابیکم اسمعیل وایاکم والتنعم وزی العجم (ازار اور چادر کو پہنو اور اپنے باپ اسمٰعیل کے لباس کو لازم پکڑو عیش پرستی اور عجمیوں کے نقشِ قدم سے بچو) معاذ اللہ! اللہ کا نبی لباس یا معاشرت میں قوم کا مقلد اور تابع بن کر نہیں آتا، اللہ کی وحی اور اس کے حکم سے قوم کے عقائد اور اخلاق واعمال اور عبادات اور معاملات سب کے متعلق ہدایتیں اور احکام جاری کرتا ہے، یہاں تک کہ بول وبراز کے آداب بھی ان کو سکھاتا ہے۔

معاش اور مَعاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جس کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کوئی غیبی اشارہ اور الہام باطنی نہ ہو، یہ ناممکن ہے کہ نبی عام لوگوں کے رسم ورواج کی پیروی کرے، آنحضرت ﷺ نے لباس کے متعلق بھی احکام جاری فرمائے کہ فلاں جائز ہے اور فلاں حرام، یہاں تک کہ مسلمان اور کافر کے لباس میں امتیاز ہوگیا اور بے شمار احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کافروں کی تشبہ کی ممانعت کی ہے اور ان کی مخالفت کا حکم دیا، ورجس لباس سے تکبر اور تفاخر اور اسراف اور تنعم مترشح ہوتا ہو اس کو ممنوع قرار دیا، اور اس لباس کو بھی ممنوع قرار دیا جو دشمنانِ خدا سے مشابہت کا سبب بنے، مشرکین حریر اور دیبا کو استعمال کرتے تھے،

آپ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا، مشرکین ازار کو بطور تکبر ٹخنوں سے نیچا گھسٹتا ہوا پہنتے تھے آپ نے اس کو ناجائز قرار دیا، زرین مغرق لباس کے استعمال کو ممنوع قرار دیا کہ تکبر اور تنعم اور اسراف کا شائبہ بھی نہ رہے، مشرکین ٹوپیوں پر عمامہ نہیں باندھتے تھے آپ نے حکم دیا: فَرْقُ مَابَیْنَنَا وَبَیْنَ الْمُشْرِکِیْنَ العَمَائِمُ عَلَی الْقَلَانِسِ (ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہم عمامہ ٹوپیوں پر باندھتے ہیں) اس طرح آپ نے مسلمانوں اور کافروں کے لباس میں تفرقہ قائم فرمایا اور صحیحین میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: خَالِفُوْا الْمُشْرِکِیْنَ اَوْفِرُوْا اللُّحٰی وَاحْفُوْا الشَّوَارِبِ (کافروں کی مخالفت کرو ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کم کراؤ) یعنی اپنی صورت اور ہیئت کافروں کی سی نہ بناؤ تمہاری وضع قطع کافروں سے جدا رہنی چاہئے، مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے: قال رسول اللہ ﷺ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ (حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ شخص اسی قوم میں شمار ہوگا)۔

ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حدیث من تشبہ سے لباس اور ظاہری امور میں مشابہت اختیار کرنا مراد ہے، معنوی اخلاق کی مشابہت کو تشبہ نہیں کہتے بلکہ اسے تخلُّق کہتے ہیں، اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ ھٰذِہٖ مِنْ ثِیَابِ الْکُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْھَا (یہ کافروں جیسے کپڑے ہیں پس ان کو نہ پہننا) پس ثابت ہوگیا کہ حضور پرنور کا لباس اور آپ کی وضع تمام تر وحی الٰہی کے تابع تھی، قوم اور

وطن کے اتباع میں نہ تھی، حضور پرنور اگر بالفرض والتقدیر لندن یا جرمن میں بھی مبعوث ہوتے تو وہاں بھی لندن کی وحشیوں کی وہی اصلاح فرماتے جو کہ مکہ کے وحشیوں کی فرمائی اور ان کی شہوت پرستی کو خدا پرستی سے اور ان کی بے پردگی کو پردہ سے اور ان کی بے حیائی کو عفت اور عصمت اور حیا وشرم سے بدل ڈالتے لہٰذا کسی نادان کا یہ گمان اور یہ خیال کرنا کہ معاذ اللہ اگر نبی کریم ﷺ لندن یا جرمن میں مبعوث ہوتے تو مغربی رسم ورواج کے تابع ہوتے تو یہ ایک مرعوبانہ اور محکومانہ اور غلامانہ اور احمقانہ ذہنیت کا کرشمہ ہے، جس کی حقیقت ایک مجنونانہ بڑ (بکواس) سے زیادہ کچھ نہیں، نبی اللہ کی وحی کے تابع ہوتا ہے اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ معاذ اللہ! نبی قوم اور وطن کے تابع نہیں ہوتا بلکہ قوم کو اپنی اتباع کی دعوت دیتا ہے اور صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں ان کو رنگتا ہے، صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً وَنَحْنُ لَہٗ عَابِدُوْنَ، صبغۃ اللہ اور اللہ کے رنگ میں مسلمان کی زندگی کا رنگ جانا بنیادی طور سے اس پر موقوف ہے کہ اللہ کے دشمنوں کے طور طریق ان کی وضع قطع اور لباس ہی سے پرہیز کیا جائے تاکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کفر سے برأت اور کافروں سے اجتناب ظاہر ہو اور ایمانی رنگ مومن کی زندگی میں ہر طرح اور ہر جانب سے جھلکتا نظر آئے، اس مفہوم کی توضیح کیلئے یہ چند الفاظ حضرات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں جن کا عنوان التنبہ علی مافی التشبیہ یعنی مسئلہ تشبہ بالکفار پر ایک اجمالی نظر ہے۔

(ماخوذ از: سیرۃ المصطفیٰ جلد دوم/ص ۵۴۲)

مسائل عمامہ

بلاعمامہ کے نماز پڑھنا

سوال: سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بلا عمامہ کے بھی نماز پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟ اور حضور ﷺ نے کبھی بلا عذر نماز بلا جماعت بھی پڑھی ہے یا نہیں؟۔

جواب: اس کا صریح ثبوت اس وقت بندہ کو معلوم نہیں، مگر احرام کی حالت میں سر برہنہ نماز پڑھنا محقق ہے، علی ہذا نماز فرض مرض موت میں بلا جماعت پڑھی ہے ورنہ جماعت سے ہی پڑھتے تھے۔

بلاعمامہ کی نماز کا حکم

سوال: کیا فتاویٰ عالمگیری اور قاضی خاں میں نماز بلاعمامہ کو مکروہ لکھا ہے؟۔

جواب: کسی نے بلاعمامہ نماز کو مکروہ نہیں کہا، اگر کہا تو وہ قول ماوّل ہے، بترک ندب ورنہ مردود ہوگا، فقط۔

عمامہ والی نماز کا ثواب

سوال: امام کو باوجود قدرت ہونے عمامہ کے بغیر عمامہ کے نماز پڑھانا کیسا ہے؟۔

جواب: بلاعمامہ امامت کرنا درست بلا کراہت کے ہے، اگر چہ عمامہ پاس رکھا ہو، البتہ عمامہ سے زیادہ ثواب ہوتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

امام کا بلا عذر بغیر عمامہ کے عمامہ والوں کی امامت کرنا

سوال: اگر امام کو عذر سے یا بلا عذر عمامہ میسر نہ ہو اور مقتدی باندھ رہے ہیں تو کیا نماز میں کچھ نقصان ہوگا؟۔

جواب: اگر چہ مقتدی سب متعمم ہوں اور امام بلاعمامہ ہو تو نماز کسی کی بھی مکروہ نہیں ہوتی۔ (ماخوذ از: فتاویٰ رشیدیہ، ج ا رص ۵۰۱ تا ۵۰۳)

OLS\BISMILL
not found.